إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ

یہ رسالہ نور القرآن بالفعل تین ماہ کے بعد یعنی چوتھے مہینے شائع ہوا کرے گا
اور یہ نمبر تین ماہ یعنی جون۔ جولائی۔ اگست ۱۸۹۵ء کے بارے میں ہے
قیمت بالفعل وہی ایک روپیہ سالانہ ہے

راقم خاکسار سراج الحق جمالی نعمانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ

اشتہار

کتاب مِنَنُ الرحمٰن

یہ ایک نہایت عجیب و غریب کتاب ہے جس کی طرف قرآن شریف کے بعض پُر حکمت آیات نے ہمیں توجہ دلائی۔ سو قرآن عظیم نے یہ بھی دنیا پر ایک بھاری احسان کیا ہے جو اختلاف لغات کا اصل فلسفہ بیان کر دیا اور ہمیں اس دقیق بات پر مطلع کر دیا کہ انسانی بولیاں کس منبع اور معدن سے نکلی ہیں اور کیسے وہ لوگ دھوکہ میں رہے جنہوں نے اس بات کو قبول نہ کیا جو انسانی بولی کی جڑ خدا تعالےٰ کی تعلیم ہے اور واضح ہو کہ اس کتاب میں تحقیق السنہ کی رو سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ دنیا میں صرف قرآن شریف ایک ایسی کتاب ہے جو اُس زبان میں نازل ہوا ہے۔ جو اُمّ الالسنہ اور الہامی اور تمام بولیوں کا منبع اور سرچشمہ ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ الٰہی کتاب کی تمام تر زینت اور فضیلت اسی میں ہے جو ایسی زبان میں ہو جو خدا تعالےٰ کے منہ سے نکلی اور اپنی خوبیوں میں تمام زبانوں سے بڑھی ہوئی اور اپنے نظام میں کامل ہو اور جب ہم کسی زبان میں وہ کمال

پاویں جس کے پیدا کرنے سے انسانی طاقتیں اور بشری بناوٹیں عاجز ہوں اور وہ خوبیاں دیکھیں جو دوسری زبانیں اُن سے قاصر اور محروم ہوں اور وہ خواص مشاہدہ کریں جو بجز خدا تعالےٰ کے قدیم اور صحیح علم کے کسی مخلوق کا ذہن اُن کا موجد نہ ہو سکے تو ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ وہ زبان خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ سو کامل اور عمیق تحقیقات کے بعد معلوم ہوا کہ وہ زبان عربی ہے۔ اگرچہ بہت سے لوگوں نے ان باتوں کی تحقیقات میں اپنی عمریں گذاری ہیں اور بہت کوشش کی ہے جو اس بات کا پتہ لگاویں جو ام الالسنہ کون سی زبان ہے مگر چونکہ ان کی کوششیں خط مستقیم پر نہیں تھیں اور نیز خدا تعالےٰ سے توفیق یافتہ نہ تھے اس لئے وہ کامیاب نہ ہو سکے اور یہی وجہ تھی کہ عربی زبان کی طرف اُن کی پوری توجہ نہ تھی بلکہ ایک بخل تھا۔ لہٰذا وہ حقیقت شناسی سے محروم رہ گئے۔ اب ہمیں خدا تعالےٰ کے مقدس اور پاک کلام قرآن شریف سے اس بات کی ہدایت ہوئی کہ وہ الہامی زبان اور اُم الالسنہ جس کے لئے پارسیوں نے اپنی جگہ اور عبرانی والوں نے اپنی جگہ اور آریہ قوم نے اپنی جگہ دعوے کئے کہ انہیں کی وہ زبان ہے وہ عربی مبین ہے اور دوسرے تمام دعویدار غلطی پر اور خطا پر ہیں۔ اگرچہ ہم نے اس رائے کو سرسری طور پر ظاہر نہیں کیا بلکہ اپنی جگہ پر پوری تحقیقات کر لی ہے اور ہزارہا الفاظ سنسکرت وغیرہ کا مقابلہ کر کے اور ہر یک لغت کے ماہروں کی کتابوں سے سُن کر اور خوب عمیق نظر ڈال کر اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ زبان عربی کے سامنے سنسکرت وغیرہ زبانوں میں کچھ بھی خوبی نہیں پائی جاتی بلکہ عربی کے الفاظ کے مقابل ان زبانوں کے الفاظ لنگڑوں، لولوں، اندھوں، بہروں، مجذوموں، مبروصوں کے

مشابہ ہیں جو فطری نظام کو بکلی کھو بیٹھے ہیں اور کافی ذخیرہ مفردات کا جو کامل زبان کے لئے شرط ضروری ہے اپنے ساتھ نہیں رکھتے لیکن اگر ہم کسی آریہ صاحب یا کسی پادری صاحب کی رائے میں غلطی پر ہیں اور ہماری تحقیقات ان کی رائے میں اس وجہ سے صحیح نہیں ہے کہ ہم ان زبانوں سے ناواقف ہیں۔ تو اوّل ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ جس طرز سے ہم نے اس بحث کا فیصلہ کیا ہے اس میں کچھ ضروری نہ تھا کہ ہم سنسکرت وغیرہ کے اطوار انتشار سے بخوبی واقف ہو جائیں۔ ہمیں صرف سنسکرت وغیرہ کے مفردات کی ضرورت تھی سو ہم نے کافی ذخیرہ مفردات کا جمع کر لیا ہے اور پنڈتوں اور یورپ کے زبانوں کے ماہروں کی ایک جماعت سے ان مفردات کے معنوں کی بھی جہاں تک ممکن تھا تنقیح کر لی اور انگریزی محققوں کی کتابوں کو بھی بخوبی غور سے سن لیا۔ اور ان باتوں کو مباحثات میں ڈال کر بخوبی صاف کر لیا۔ اور پھر سنسکرت وغیرہ زباندانوں سے مکرر شہادت لے لی جس سے یقین ہو گیا کہ درحقیقت وید ک سنسکرت وغیرہ زبانیں اُن خوبیوں سے عاری اور بے بہرہ ہیں جو عربی زبان میں ثابت ہوئیں پھر دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر کسی آریہ صاحب یا کسی اور مخالف کو یہ تحقیقات ہماری منظور نہیں تو ان کو ہم بذریعہ اس اشتہار کے اطلاع دیتے ہیں کہ ہم نے زبان عربی کی فضیلت اور کمال اور فوق الالسنہ ہونے کے دلائل اپنی اس کتاب میں مبسوط طور پر لکھ دیئے ہیں جو بہ تفصیل ذیل ہیں:۔

(۱) عربی کے مفردات کا نظام کامل ہے۔

(۲) عربی اعلیٰ درجہ کی علمی وجوہ تسمیہ پر مشتمل ہے جو فوق العادت ہیں۔

(۳) عربی کا سلسلہ اطراد مواد اتم و اکمل ہے۔

(۴) عربی کی تراکیب میں الفاظ کم اور معانی زیادہ ہیں۔
(۵) عربی زبان انسانی ضمائر کا پورا نقشہ کھینچنے کے لئے پوری پوری طاقت اپنے اندر رکھتی ہے۔

اب ہر ایک کو اختیار ہے کہ ہماری کتاب کے چھپنے کے بعد اگر ممکن ہو تو یہ کمالات سنسکرت یا کسی اور زبان میں ثابت کرے یا اس اشتہار کے پہنچنے کے بعد ہمیں اپنے منشار سے اطلاع دے کہ وہ کیونکر اور کس طور سے اپنی تسلی کرنا چاہتا ہے۔ یا اگر اس کو ان فضائل میں کچھ کلام ہے یا سنسکرت وغیرہ کی بھی کوئی ذاتی خوبیاں بتلانا چاہتا ہے تو بے شک پیش کر دیوے ہم غور سے اس کی بات کو سنیں گے۔ مگر چونکہ اکثر وہمی مزاج اس قسم کے بھی ہر ایک قوم میں پائے جاتے ہیں کہ یہ خدشہ اُن کے دل میں باقی رہ جاتا ہے کہ شاید سنسکرت وغیرہ میں کوئی ایسے چھپے ہوئے کمالات ہوں جو انہیں لوگوں کو معلوم ہوں جو اُن زبانوں کی کتابوں کو پڑھتے پڑھاتے ہیں اس لئے ہم نے اس کتاب کے ساتھ پانچہزار روپیہ کا انعامی اشتہار بھی شایع کر دیا ہے اور یہ پانچ ہزار روپیہ صرف کہنے کی بات نہیں بلکہ کسی آریہ صاحب یا کسی اور صاحب کی درخواست کے آنے پر پہلے ہی ایسی جگہ جمع کرا دیا جائے گا جس میں وہ آریہ صاحب یا اور صاحب بخوبی مطمئن ہوں اور سمجھ لیں کہ فتح یابی کی حالت میں بغیر حرج کے وہ روپیہ اُن کو وصول ہو جائے گا۔ مگر یاد رہے۔ کہ روپیہ جمع کرانے کی اُس وقت درخواست آنی چاہیئے جبکہ تحقیق الالسنہ کی کتاب چھپ کر شائع ہو جائے اور جمع کرانے والے کو اس امر کے بارے میں ایک تحریری اقرار دینا ہو گا کہ اگر وہ پانچہزار روپیہ جمع کرانے کے بعد مقابلہ سے گریز کر جائے یا اپنی لاف وگزاف کو انجام تک

نہ پہنچا سکے تو وہ تمام حرجہ ادا کرے گا جو ایک تجارتی روپیہ کے لئے کسی مدت تک بند رہنے کی حالت میں ضروری الوقوع ہے؛

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی

المشتہر

غلام احمد قادیانی

۱۵ جون ۱۸۹۵ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ

ھُدا

چونکہ اس زمانہ میں طرح طرح کے غلط خیالات ہر ایک قوم میں ایسے طور پر پھیل گئے ہیں کہ اُن کے بد اثر اُن سادہ دلوں کو موت تک پہنچاتے جاتے ہیں جن میں دینی فلسفہ کی تصویر کامل طور پر موجود نہیں یا ایسی سطحی طور پر کھینچی گئی ہے جس کو سوفسطائی توہمات جلد مٹا سکتے ہیں۔ اس لئے میں نے محض زمانہ کی موجودہ حالت پر رحم کر کے اس ماہواری رسالہ میں اُن باتوں کو شائع کرنا چاہا جن میں ان آفات کا کافی علاج ہو اور جو راہ راست کے جاننے اور سمجھنے اور شناخت کرنے کا ذریعہ ہوں اور جن سے وہ سچا فلسفہ معلوم ہو جو دلوں کو تسلی دیتا اور روح کو سکینت اور آرام بخشتا اور ایمان کو عرفان کے رنگ میں لے آتا ہے اور چونکہ اس تالیف سے مقصود یہی ہے

کہ کلام الٰہی کے معارف اور حقائق لوگوں کو معلوم ہوں۔ اس لئے اس رسالہ میں ہمیشہ کے لئے یہ التزام کیا گیا ہے کہ کوئی دعویٰ اور دلیل اپنی طرف سے نہ ہو بلکہ قرآن کریم کی طرف سے ہو جو خدا تعالیٰ کا کلام اور اس دنیا کی تاریکیوں کے مٹانے کے لئے آیا ہے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ قرآن شریف میں ہی ایک اعجازی خاصیت ہے کہ وہ اپنے **دعوے اور دلیل** کو آپ ہی بیان کرتا ہے۔ اور یہی ایک اوّل نشانی اُس کی **منجانب اللہ** ہونے کی ہے۔ کہ وہ ہمیشہ اپنا ثبوت ہر یک پہلو سے آپ دیتا ہے۔ اور آپ ہی دعویٰ کرتا اور آپ ہی اُس دعوے کے دلایل پیش کرتا ہے اور ہم نے قرآن شریف کی اس **اعجازی** خاصیت کو اس رسالہ میں اس لئے شائع کرنا چاہا کہ تا اس تقریب سے وہ تمام مذہب بھی جانچے جائیں جن کے پابند اسلام کے مقابل پر ایسی کتابوں کی تعریف کر رہے ہیں جن میں یہ طاقت ہرگز نہیں کہ وہ اپنے دعوے کو دلیل کے ساتھ ثابت کر سکیں یہ بات ظاہر ہے کہ الٰہی کتاب کی پہلی **نشانی** علمی طاقت ہے اور یہ امر ممکن ہی نہیں کہ ایک کتاب فی الحقیقت **الہامی کتاب** ہو کر سچائی کے بیان میں جو عقاید دینیہ کی ضروریات میں سے ہے قاصر ہو یا ایک انسانی کتاب کے مقابل پر تاریکی اور نقصان کے گڑھے میں گری ہوئی ہو۔ بلکہ الٰہی کتاب کی اوّل نشانی تو یہی ہے کہ جس ثبوت اور عقیدہ کی اُس نے بنیاد ڈالی ہے اس کو معقولی طور پر ثابت بھی کرتی ہو۔ کیونکہ اگر وہ اپنے دعاوی کو ثابت نہیں کرتی بلکہ انسان کو گرداب حیرت میں ڈالتی ہے تو ایسی کتاب کو منوانا اکراہ اور جبر میں داخل ہوگا۔ اور یہ بات نہایت صاف اور سریع الفہم ہے کہ وہ کتاب جو حقیقت میں کتاب الٰہی ہے وہ انسانوں کی طبیعتوں پر کوئی ایسا بوجھ نہیں ڈالتی۔ اور ایسے

امور مخالف عقل پیش نہیں کرتی جن کا قبول کرنا اکراہ اور جبر میں داخل ہو کیونکہ کوئی عقل صحیح تجویز نہیں کر سکتی جو دین میں اکراہ اور جبر جائز ہو۔ اسی واسطے اللہ جل شانہ نے قرآن کریم میں فرمایا لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ[1] جب ہم انصاف کے ساتھ سوچتے ہیں کہ الٰہی کتاب کیسی ہونی چاہیئے تو ہمارا نور قلب بڑے دور سے شہادت دیتا ہے کہ الٰہی کتاب کے چہرہ کا حقیقی حلیہ یہی ہے کہ وہ اپنی روشنی سے علمی اور عملی طریقوں میں حق الیقین کا آپ راہ دکھاتی ہو اور پوری بصیرت بخش کر اسی جہان میں بہشتی زندگی کا نمونہ قایم کر دیتی ہو کیونکہ الٰہی کتاب کا زندہ معجزہ صرف یہی ہے کہ وہ علم اور حکمت اور فلسفہ حقہ کی معلم ہو اور جہاں تک ایک سوچنے والے کے لئے روحانی حقایق کے سلسلہ کا پتہ لگ سکتا ہو وہ تمام حقایق اس میں موجود ہوں اور صرف مدعی نہ ہو بلکہ اپنے ہر ایک دعوے کو ایسے طور سے ثابت کرے کہ پوری تسلی بخش دیوے اور جس تعمق اور امعان کے ساتھ اس پر نظر ڈالی جاوے صاف دکھائی دے کہ فی الواقعہ وہ ایسا ہی معجزہ اپنے اندر رکھتی ہے کہ دینی امور میں انسانی بصیرتوں کو ترقی دینے کے لئے اعلیٰ درجہ کی مددگار اور اپنے کاروبار کی آپ ہی وکیل ہے۔

بالآخر میں اپنے ہر ایک مخالف کو مخاطب کر کے علانیہ طور پر متنبہ کرتا ہوں کہ اگر وہ فی الواقع اپنی کتابوں کو منجانب اللہ سمجھتے ہیں۔ اور یقین رکھتے ہیں کہ وہ اُس ذات کامل سے صادر ہیں جو اپنی پاک کتاب کو اس شرمندگی اور ندامت کا نشانہ بنانا نہیں چاہتا کہ اس کی کتاب صرف بیہودہ اور بے اصل دعووں کا مجموعہ ٹھہرے جن کے ساتھ کوئی ثبوت نہ ہو تو اس موقعہ پر ہمارے دلائل کے مقابل پر وہ بھی دلائل پیش کرتے رہیں کیونکہ بالمقابل

[1] البقرۃ : ۲۵۷

باتوں کو دیکھ کر جلد حق سمجھ آجاتا ہے اور دونوں کتابوں کا موازنہ ہو کر ضعیف اور قوی اور ناقص اور کامل کا فرق ظاہر ہو جاتا ہے لیکن یاد رکھیں کہ آپ ہی وکیل نہ بن بیٹھیں بلکہ ہماری طرح دعویٰ اور دلیل اپنی کتاب میں سے پیش کریں اور مباحثہ کے نظام کو محفوظ رکھنے کے لئے یہ بات بھی لازم پکڑیں کہ جس دلیل سے اب ہم شروع کرتے ہیں اُسی دلیل کا وجود اپنے بالمقابل رسالہ میں اپنی کتاب میں سے نکال کر دکھلا دیں۔ علیٰ ہذا القیاس ہمارے ہر یک نمبر کے نکلنے کے مقابل اُسی دلیل کو اپنی کتاب کی حمایت میں پیش کریں جو ہم نے اس نمبر میں پیش کی ہو۔ اس انتظام سے بہت جلد فیصلہ ہو جائیگا کہ ان کتابوں میں سے کونسی کتاب اپنی سچائی کو آپ ثابت کرتی ہے اور معارف کا لاانتہا سمندر اپنے اندر رکھتی ہے۔ اب ہم خدا تعالےٰ سے توفیق پاکر اول نمبر کو شروع کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ یا الٰہی سچائی کی فتح کر اور باطل کو ذلیل اور مغلوب کرکے دکھلا وَلَاحَوْلَ وَ لَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ اٰمِیْن ؛

بُرہانِ اوّل

قرآن اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل

قرآن شریف نے بہت زور شور سے اس دعویٰ کو پیش کیا ہے کہ وہ

خدا کا کلام ہے اور حضرت سیدنا و مولانا محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس کے سچے نبی اور رسول ہیں جن پر وہ پاک کلام اترا ہے۔ چنانچہ یہ دعوٰی آیات مندرجہ ذیل میں بخوبی مصرح و مندرج ہے۔

(آل عمران او ۲) الٓمّٓ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ[1] یعنی وہی اللہ ہے۔ اُس کا کوئی ثانی نہیں اُسی سے ہر ایک کی زندگی اور بقا ہے۔ اس نے حق اور ضرورت حقہ کے ساتھ تیرے پر کتاب اتاری اور پھر فرمایا یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ[2] (الجزو ۵ سورۃ النساء) یعنی اے لوگو حق اور ضرورت حقہ کے ساتھ تمہارے پاس یہ نبی آیا ہے اور پھر فرمایا وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰہُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ[3] (الجزو ۱۵) یعنے ضرورت حقہ کے ساتھ ہم نے اس کلام کو اتارا ہے اور ضرورت حقہ کے ساتھ اترا ہے۔ اور پھر فرمایا یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا[4] (الجزو سورۃ النساء)۔ اے لوگو تمہارے پاس یہ یقینی برہان پہنچی ہے اور ایک کھلا نور تمہاری طرف ہم نے اتارا ہے۔ اور پھر فرمایا قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا[5] (الجزو ۹) یعنے لوگوں کو کہہ دے کہ میں تم سب کی طرف پیغمبر ہو کر آیا ہوں۔ اور پھر فرمایا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّھُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ کَفَّرَ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَاَصْلَحَ بَالَھُمْ[6] (الجزو ۲۶) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے اور اس کتاب پر ایمان لائے جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور وہی حق ہے خدا اُن کے گناہ دور کرے گا اور اُن کے حال چال کو درست کر دے گا۔

ایسا ہی صدہا آیات اور ہیں جن میں نہایت صفائی سے یہ دعوٰی کیا گیا

[1] آل عمران : ۲-۴ [2] النساء : ۱۷۱ [3] بنی اسرائیل : ۱۰۶ [4] النساء : ۱۷۵
[5] الاعراف : ۱۵۹ [6] محمد : ۳

ہے کہ قرآن کریم خدا کا کلام اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے سچے نبی ہیں لیکن ہم بالفعل اسی قدر لکھنا مناسب و کافی دیکھتے ہیں مگر ساتھ ہی اپنے مخالفوں کو یاد دلاتے ہیں کہ جس شدّ و مدّ سے قرآن شریف میں یہ دعوےٰ موجود ہے۔ کسی اور کتاب میں ہرگز موجود نہیں ہم نہایت مشتاق ہیں اگر آریہ اپنے ویدوں میں اتنا بھی ثابت کردیں کہ اُن کے ہر چہار ویدوں نے الٰہی کلام ہونے کا دعویٰ کیا اور بتصریح بتلایا کہ فلاں فلاں شخص پر فلاں زمانہ میں وہ اُترے ہیں۔ کتاب اللہ کے ثبوت کے لئے پہلا ضروری امر یہی ہے کہ وہ کتاب اپنے منجانب اللہ ہونے کی مدعی بھی ہو کیونکہ جو کتاب اپنے منجانب اللہ ہونے کی طرف آپ کوئی اشارہ نہیں کرتی اس کو خداوند تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا ایک مداخلت بے جا ہے۔

اب دوسرا امر قابل تذکرہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے اپنے منجانب اللہ ہونے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بارے میں صرف دعویٰ ہی نہیں کیا بلکہ اس دعویٰ کو نہایت **مضبوط** اور **قوی دلیلوں** کے ساتھ ثابت بھی کردیا ہے اور ہم انشاء اللہ سلسلہ وار اُن تمام دلائل کو لکھیں گے اور اُن میں سے پہلی دلیل ہم اسی مضمون میں تحریر کرتے ہیں تا حق کے طالب اوّل اسی دلیل میں دوسری کتابوں کا قرآن کے ساتھ مقابلہ کریں اور نیز ہم ہریک مخالف کو بھی بلاتے ہیں۔ کہ اگر یہ طریق ثبوت جس کا ایک کتاب میں پایا جانا اس کی سچائی پر بدیہی دلیل ہے ان کی کتابوں اور نبیوں کی نسبت بھی پایا جاتا ہے تو وہ ضرور اپنے اخباروں اور رسالوں کے ذریعہ سے پیش کریں ورنہ اُن کو اقرار کرنا پڑے گا کہ ان کی کتابیں اس اعلیٰ درجہ کے ثبوت سے عاری اور بے نصیب ہیں اور ہم نہایت یقین اور وثوق سے کہتے ہیں

کہ یہ طریق ثبوت اُن کے مذہب میں ہرگز پایا نہیں جاتا پس اگر ہم غلطی پر ہیں تو ہماری غلطی ثابت کریں اور وہ پہلی دلیل جو قرآن شریف نے اپنے منجانب اللہ ہونے پر پیش کی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ عقل سلیم ایک سچی کتاب اور ایک سچے اور منجانب اللہ رسول کے ماننے کے لئے اس بات کو نہایت بزرگ دلیل ٹھہراتی ہے کہ ان کا ظہور ایک ایسے وقت میں ہو جبکہ زمانہ تاریکی میں پڑا ہو۔ اور لوگوں نے توحید کی جگہ شرک اور پاکیزگی کی جگہ فسق اور انصاف کی جگہ ظلم اور علم کی جگہ جہل اختیار کر لیا ہو اور ایک مصلح کی اشد ضرورت ہو اور پھر ایسے وقت میں وہ رسول دُنیا سے رخصت ہو جبکہ وہ اصلاح کا کام عمدہ طور سے کر چکا ہو اور جب تک اُس نے اصلاح نہ کی ہو دشمنوں سے محفوظ رکھا گیا ہو اور نوکروں کی طرح حکم سے آیا ہو اور حکم سے واپس گیا ہو۔ غرضیکہ وہ ایسے وقت میں ظاہر ہو جبکہ وہ وقت بزبان حال پکار پکار کر کہہ رہا ہو کہ ایک آسمانی مصلح اور کتاب کا آنا ضروری ہے اور پھر ایسے وقت میں الہامی پیشگوئی کے ذریعہ سے واپس بُلایا جائے کہ جب اصلاح کے پودہ کو مستحکم کر چکا ہو اور ایک عظیم الشان انقلاب ظہور میں آچکا ہو۔ اب ہم اس بات کو بڑے فخر کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ یہ دلیل جس طرح قرآن اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں نہایت روشن چہرہ کے ساتھ جلوہ نما ہوئی ہے کسی اور نبی اور کتاب کے حق میں ہرگز ظاہر نہیں ہوئی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ دعوے تھا کہ میں تمام قوموں کے لئے آیا ہوں سو قرآن شریف نے تمام قوموں کو ملزم کیا ہے کہ وہ طرح طرح کے شرک اور فسق و فجور میں مبتلا ہیں جیسا کہ وہ فرماتا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ[1] یعنے دریا بھی بگڑ گئے اور جنگل بھی بگڑ گئے۔ اور پھر فرماتا ہے لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا[2] یعنی ہم نے تجھے بھیجا تا کہ دنیا کی تمام قوموں

[1] الروم : ۴۲ [2] الفرقان : ۲

کو ڈرا وے یعنی ان کو متنبہ کرے کہ وہ خدا تعالیٰ کے حضور میں اپنی بدکاریوں اور عقیدوں کی وجہ سے سخت گنہگار ٹھہری ہیں

یاد رہے کہ جو اس آیت میں نذیر کا لفظ دنیا کے تمام فرقوں کے مقابل پر استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی گنہگاروں اور بدکاروں کو ڈراتا ہے اسی لفظ سے یقینی سمجھا جاتا ہے کہ قرآن کا یہ دعویٰ تھا کہ تمام دنیا بگڑ گئی اور ہر ایک نے سچائی اور نیک بختی کا طریق چھوڑ دیا کیونکہ انذار کا محل فاسق اور مشرک اور بدکار ہی ہیں اور انذار اور ڈرانا مجرموں کی ہی تنبیہ کے لئے ہوتا ہے نہ نیک بختوں کے لئے۔ اس بات کو ہر یک جانتا ہے کہ ہمیشہ سرکشوں اور بے ایمانوں کو ہی ڈرایا جاتا ہے اور سنت اللہ اسی طرح پر ہے کہ نبی نیکوں کے لئے بشیر ہوتے ہیں اور بدوں کے لئے نذیر پھر جبکہ ایک نبی تمام دنیا کے لئے نذیر ہوا تو ماننا پڑا کہ تمام دنیا کو نبی کی وحی نے بداعمالیوں میں مبتلا قرار دیا ہے اور یہ ایک ایسا دعویٰ ہے کہ نہ توریت نے موسیٰ کی نسبت کیا اور نہ انجیل نے عیسےٰ علیہ السلام کے زمانہ کی نسبت بلکہ صرف قرآن شریف نے کیا اور پھر فرمایا کہ کُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ[1] یعنی تم اس نبی کے آنے سے پہلے دوزخ کے گڑھے کے کنارہ پر پہنچ چکے تھے اور عیسائیوں اور یہودیوں کو بھی متنبہ کیا کہ تم نے اپنے دجل سے خدا کی کتابوں کو بدل دیا اور تم ہر یک شرارت اور بدکاری میں تمام قوموں کے پیشرو ہو اور بت پرستوں کو جا بجا ملزم کیا کہ تم پتھروں اور انسانوں اور ستاروں اور عناصر کی پرستش کرتے ہو اور خالق حقیقی کو بھول گئے ہو اور تم یتیموں کا مال کھاتے اور بچوں کو قتل کرتے* اور شرکار پر ظلم کرتے ہو اور ہر یک بات

*حاشیہ: جیسا کہ فرماتا ہے یدسّہ فی التراب[2] یعنی مشرک اپنی لڑکی کو ر (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] آل عمران: ۱۰۴ [2] النحل: ۶۰

میں حدِ اعتدال سے گذر گئے ہو اور فرمایا اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِہَا[1] یعنی یہ بات تمہیں معلوم رہے کہ زمین سب کی سب مر گئی تھی اب اس کو خدائے سرے سے اس کو زندہ کرتا ہے۔ غرض تمام دنیا کو قرآن نے شرک اور فسق اور بت پرستی کے الزام سے ملزم کیا جو اُمّ الخبائث ہیں اور عیسائیوں اور یہودیوں کو دنیا کی تمام بدکاریوں کی جڑ ٹھہرایا اور ہر یک قسم کی بدکاریاں ان کی بیان کر دیں اور ایک ایسا نقشہ کھینچ کر زمانہ موجودہ کا اعمالنامہ دکھلا دیا کہ جب سے دنیا کی بنا پڑی ہے بجز نوحؑ کے زمانہ کے اور کوئی زمانہ اُس زمانہ سے مشابہ نظر نہیں آتا اور ہم نے اس جگہ جس قدر آیات لکھ دی ہیں وہ اتمام حجت کے لئے اوّل درجہ پر کام دیتی ہیں۔ لہٰذا ہم نے طول کے خوف سے تمام آیات کو نہیں لکھا۔ ناظرین کو چاہیئے کہ قرآن شریف کو غور سے پڑھیں تا اُنہیں معلوم ہو کہ کس شدّ و مد اور کس قدر موثر کلام سے جا بجا قرآن شریف بیان کر رہا ہے کہ تمام دنیا بگڑ گئی۔ تمام دنیا مر گئی اور لوگ دوزخ کے گڑھے کے قریب پہنچ گئے۔ اور کیسے بار بار کہتا ہے کہ تمام دُنیا کو ڈرا کہ وہ خطرناک حالت میں پڑی ہے۔ یقیناً قرآن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ شرک اور فسق اور بت پرستی اور طرح طرح کے گناہوں میں گرفتار ہو چکی اور بدکاریوں

بقیہ حاشیہ: زندہ درگور کرتا ہے اور فرماتا ہے وَاِذَا الْمَوْءٗدَۃُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ[2] یعنی قیامت کو زندہ درگور لڑکیوں سے سوال ہو گا کہ وہ کس گناہ سے قتل کی گئیں یہ اشارہ ملک کی موجودہ حالت کی طرف کیا گیا ایسے ایسے بُرے کام ہوتے ہیں اسی کی طرف عرب کے ایک پرانے شاعر ابن الاعرابی نے اشارہ کیا ہے چنانچہ وہ کہتا ہے

ما لقی المؤود من ظلم اُمّہ   کما لقیت ذھل جمیعا و عامر

یعنی زندہ درگور لڑکی پر اس کی ماں کی طرف سے وہ ظلم نہیں ہوتا جیسا کہ ذہل اور عامر پر ہوا۔ منہ

[1] الحدید: ۱۸ [2] التکویر: ۹-۱۰

کے عمیق کنوئیں میں ڈوب گئی ہے۔ یہ بات سچ ہے کہ انجیل میں بھی کسی قدر یہودیوں کی بدچلنیوں کا ذکر ہے لیکن مسیح نے کہیں یہ ذکر تو نہیں کیا کہ جس قدر دنیا کے صفحہ میں لوگ موجود ہیں جن کو عالمین کے نام سے نامزد کر سکتے ہیں کہ وہ بگڑ گئے مر گئے اور دنیا شرک اور بدکاریوں سے بھر گئی اور نہ رسالت کا عام دعویٰ کیا پس ظاہر ہے کہ یہودی ایک تھوڑی سی قوم تھی جو مسیح کے مخاطب تھی بلکہ وہی تھی جو مسیح کے نظر کے سامنے اور چند دیہات کے باشندے تھے لیکن قرآن کریم نے تو تمام زمین کے مر جانے کا ذکر کیا ہے اور تمام قوموں کی بری حالت کو وہ بتلاتا ہے کہ زمین ہر قسم کے گناہ سے مر گئی * یہودی تو نبیوں کی اولاد اور توریت کو اپنے اقرار سے مانتے تھے گو عمل سے قاصر تھے لیکن قرآن کے زمانہ میں علاوہ فسق و فجور کے عقاید میں بھی فتور ہو گیا تھا۔ ہزارہا لوگ دہریہ تھے۔ ہزارہا وحی اور الہام سے منکر تھے اور ہر قسم کی بدکاریاں زمین پر پھیل گئی تھیں اور دنیا میں اعتقادی اور عملی خرابیوں کا ایک طوفان برپا تھا۔ ماسوا اس کے مسیح نے اپنی چھوٹی سی قوم یہودیوں کی بدچلنی کا کچھ ذکر تو کیا جس سے البتہ یہ خیال پیدا ہوا کہ اس وقت یہود کی ایک خاص قوم کو ایک مصلح کی ضرورت تھی مگر جس دلیل کو ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منجانب اللہ ہونے کے بارے میں بیان کرتے ہیں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فساد عام کے وقت میں آنا اور کامل اصلاح کے بعد واپس

* نوٹ: اگر کوئی کہے کہ فساد اور بدعقیدگی اور بداعمالیوں میں یہ زمانہ بھی تو کم نہیں پھر اس میں کوئی نبی کیوں نہیں آیا تو جواب یہ ہے کہ وہ زمانہ توحید اور راست روی سے بالکل خالی ہو گیا تھا اور اس زمانہ میں چالیس کروڑ لا الٰہ الا اللہ کہنے والے موجود ہیں اور اس زمانہ کو بھی خدا تعالیٰ نے مجدد کے بھیجنے سے محروم نہیں رکھا۔ منہ

بلائے جاتا اور ان دونوں پہلوؤں کا قرآن شریف کا آپ پیش کرنا اور آپ دنیا کو اس کی طرف توجہ دلانا یہ ایک ایسا امر ہے کہ انجیل تو کیا بجز قرآن شریف کسی پہلی کتاب میں بھی نہیں پایا جاتا۔ قرآن شریف نے آپ یہ دلائل پیش کئے ہیں۔ اور آپ فرما دیا ہے کہ اس کی سچائی ان دو پہلوؤں پر نظر ڈالنے سے ثابت ہوتی ہے۔ یعنے ایک تو وہی جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ ایسے زمانہ میں ظہور فرمایا جبکہ زمانہ میں عام طور پر طرح طرح کی بدکاریاں بداعتقادیاں پھیل گئی تھیں اور دنیا حق اور حقیقت اور توحید اور پاکیزگی سے بہت دور جا پڑی تھی اور قرآن شریف کے اس قول کی اس وقت تصدیق ہوتی ہے جبکہ ہر یک قوم کی تاریخ اس زمانہ کے متعلق پڑھی جائے۔ کیونکہ ہر یک قوم کے اقرار سے یہ شہادت پیدا ہوتی ہے کہ درحقیقت وہ ایسا پُر ظلمت زمانہ تھا۔ کہ ہر یک قوم مخلوق پرستی کی طرف جھک گئی تھی اور یہی وجہ ہے کہ جب قرآن نے تمام قوموں کو گمراہ اور بدکار قرار دیا تو کوئی اپنا بری ہونا ثابت نہ کر سکا۔ دیکھو اللہ تعالےٰ کیسے زور سے اہل کتاب کی بدیوں اور تمام دنیا کے مرجانے کا ذکر کرتا ہے اور فرماتا ہے وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ - اِعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ[1] (سورۃ الحدید جزو ۲۷ رکوع ۱) یعنے مومنوں کو چاہیئے کہ اہل کتاب کی چال وچلن سے پرہیز کریں ان کو اس سے پہلے کتاب دی گئی تھی پس ان پر ایک زمانہ گذر گیا سو اُن کے دل سخت ہوگئے۔ اور اکثر اُن میں سے فاسق اور بدکار ہی ہیں۔ یہ بات بھی جانو کہ زمین مرگئی تھی۔ اور اب خدا نئے سرے سے زمین کو زندہ کر رہا ہے یہ قرآن کی ضرورت اور سچائی کے نشان ہیں جو اس لئے بیان کئے گئے تا کہ تم نشانوں کو

[1] الحدید: ۱۷-۱۸

دریافت کرلو۔

اب سوچ کر دیکھو کہ یہ دلیل جو تمہارے سامنے پیش کی گئی ہے یہ ہم نے اپنے ذہن سے ایجاد نہیں کی۔ بلکہ قرآن آپ ہی اُس کو پیش کرتا ہے اور دلیل کے دونوں حصے بیان کر کے پھر آپ ہی فرماتا ہے قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ[1] یعنے اِس رسول اور اِس کتاب کے منجانب اللہ ہونے پر یہ بھی ایک نشان ہے جس کو ہم نے بیان کر دیا تاکہ تم سوچو اور سمجھو اور حقیقت تک پہنچ جاؤ*۔

حاشیہ* قرآن شریف نے جس قدر اپنے نزول کے زمانہ میں ان عیسائیوں وغیرہ کی بدچلنیاں بیان کی ہیں جو اُس وقت موجود تھے۔ ان تمام قوموں نے خود اپنے منہ سے اقرار کر لیا تھا بلکہ باربار اقرار کرتے تھے کہ وہ ضرور ان بدچلنیوں کے مرتکب ہو رہے تھے اور عرب کی تاریخ دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ بجز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ آباء و اجداد کے جن کو اللہ جل شانہ نے اپنے خاص فضل و کرم سے شرک اور دوسری بلاؤں سے بچائے رکھا باقی تمام لوگ عیسائیوں کے بدنمونہ کو دیکھ کر اور اُن کی چال چلن کی بدتاثیر سے متاثر ہو کر انواع اقسام کے قابل شرم گناہوں اور بدچلنیوں میں مبتلا ہو گئے تھے اور جس قدر بدچلنی اور بد اعمالی عربوں میں آئی وہ درحقیقت عربوں کی ذاتی فطرت کا نتیجہ نہیں تھا۔ بلکہ ایک نہایت ناپاک اور بدچلن قوم ان میں آباد ہو گئی اور ایک جھوٹے منصوبہ کفارہ پر بھروسہ کر کے ہر یک گناہ کو شیرمادر کی طرح سمجھتی تھی اور مخلوق پرستی اور شرابخواری اور ہر یک قسم کی بدکاری کو بڑے زور کے ساتھ دنیا میں پھیلا رہی تھی اور اوّل درجہ کی کذّاب اور دغاباز اور بدسرشت تھی۔ بظاہر یہ فرق کرنا مشکل ہے کہ کیا اُس زمانہ میں فسق و فجور اور ہر ایک قسم کی بدچلنی میں یہودی بڑھے ہوئے تھے یا عیسائی نمبر اوّل پر تھے۔ مگر ذرہ غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ درحقیقت عیسائی ہی ہر ایک بدکاری اور بدچلنی اور شر کا دروازہ (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] الحدید : ۱۸

دوسرا پہلو اس دلیل کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ایسے وقت میں

بقیہ حاشیہ: میں پیش دست تھے کیونکہ یہودی لوگ متواتر ذلتوں اور کوفتوں سے کمزور ہو چکے تھے اور وہ شرارتیں جو ایک سفلہ آدمی اپنی طاقت اور دولت اور عروج قومی کو دیکھ کر کر سکتا ہے یا وہ بدچلنیاں جو کثرت دولت اور روپیہ پر موقوف ہیں۔ ایسے نالائق کاموں کا یہودیوں کو کم موقعہ ملتا تھا مگر عیسائیوں کا ستارہ ترقی پر تھا اور نئی دولت اور نئی حکومت ہر وقت انگشت و سے دبی تھی کہ وہ تمام لوازمات اُن میں پائے جائیں جو بدی کے مؤیدات پیدا ہونے سے قدرتی طور پر ہمیشہ پائی جاتی ہیں پس یہی سبب ہے کہ اس زمانہ میں عیسائیوں کی بدچلنی اور ہر یک قسم کی بدکاری سب سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی اور یہ بات یہاں تک ایک مشہور واقع ہے کہ **پادری فنڈل** باوجود اپنے سخت تعصب کے اس کو چھپا نہیں سکا اور مجبور ہو کر اس زمانہ کے عیسائیوں کی بدچلنیوں کا میزان الحق میں اس کو اقرار کرنا ہی پڑا مگر دوسرے انگریز مؤرخوں نے تو بڑی بسط سے ان کی بدچلنیوں کا مفصل حال لکھا ہے چنانچہ ان میں سے ایک **ڈیون پورٹ** صاحب کی کتاب ہے جو ترجمہ ہو کر اس ملک میں شائع ہو گئی ہے غرض یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اس زمانہ کے عیسائی اپنی نئی دولت اور حکومت اور کفارہ کی زہرناک تحریک سے تمام بدچلنیوں میں سب سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے ہر یک نے اپنی فطرت اور طبیعت کے موافق جدا جدا بے اعتدالی اور معصیت کی راہیں اختیار کر رکھی ہوئی تھیں اور ان کی دلیریوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مذہب کی سچائی سے بالکل نومید ہو چکے تھے اور ایک چھپے ہوئے دہریہ تھے اور اُن کی روحانیت کی اس وجہ سے بہت ہی بیخکنی ہوئی کہ دنیا کے دروازے اُن پر کھولے گئے اور انجیل کی تعلیم میں شراب کی کوئی ممانعت نہیں تھی قماربازی سے کوئی روک نہیں تھی پس یہی تمام زہر مل کر اُن کا ستیاناس کر گئیں صندوقوں میں دولت تھی ہاتھ میں حکومت تھی شراب[*]

[*] نوٹ: شراب بنانا حضرت عیسیٰ کا ایک معجزہ شمار کیا گیا ہے بلکہ شراب پینا عیسائی مذہب کی جزو اعظم ہے جیسا کہ عشاء ربانی سے ظاہر ہے۔ منہ

دنیا سے اپنے مولیٰ کی طرف بلائے گئے جبکہ وہ اپنے کام کو پورے طور پر انجام دے چکے اور یہ امر قرآن شریف سے بخوبی ثابت ہے جیسا کہ اللہ جلّشانہٗ فرماتا

بقیہ حاشیہ: خود ایجاد کرلیں پھر کیا تھا۔ اُمّ الخبائث کی تحریکوں سے سارے برے کام کرنے پڑے۔ یہ باتیں ہم نے اپنی طرف سے نہیں کہیں۔ خود بڑے بڑے مؤرخ انگریزوں نے اس کی شہادتیں دی ہیں۔ اور اب بھی دے رہے ہیں بزرگ **پادری باس ورتھ** اور **فاضل فنیلس ٹیلر** نے حال ہی کے زمانہ میں کس صفائی سے انہیں باتوں پر لیکچر دیئے ہیں اور کس زور سے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ عیسائی مذہب کی قدیم بد چلنیوں نے اُس کو ہلاک کر دیا ہے چنانچہ قوم کے فخر پادری باس ورتھ صاحب اپنے لیکچر میں بآواز بلند بیان کرتے ہیں کہ عیسائی قوم کے ساتھ **تین لعنتیں** لازم ملزوم ہو رہی ہیں جو اس کو ترقی سے روکتی ہیں سو وہ کیا ہیں۔ زناکاری۔ شراب خواری۔ قمار بازی۔ غرض اس زمانہ میں سب سے زیادہ یہ عیسائیوں کا ہی حق تھا کہ وہ بدکاریوں کے میدانوں میں سب سے پہلے رہیں۔ کیونکہ دنیا میں انسان صرف تین وجہ سے گناہ سے رک سکتا ہے (۱) یہ کہ خدا تعالیٰ کا خوف ہو (۲) یہ کہ کثرت مال جو بدمعاشیوں کا ذریعہ ہے اس کی بلا سے بچے (۳) یہ کہ ضعیف اور عاجز ہو کر زندگی بسر کرے حکومت کا زور پیدا نہ ہو۔ مگر عیسائیوں کو ان تینوں روکوں سے فراغت ہو چکی تھی۔ کفارہ کے مسئلہ نے گناہ پر دلیر کر دیا تھا اور دولت اور حکومت ظلم کرنے کے لئے مُعین ہو گئی تھیں۔ پس چونکہ دنیا کی نعمتیں اور نعمتیں اور دولتیں اُن پر بہت وسیع ہو گئی تھیں۔ اور ایک زبردست سلطنت کے وہ مالک بھی ہو گئے تھے اور پہلے اس سے ایک مدت تک وہ فقر و فاقہ اور تکالیف شاقہ میں مبتلا رہ چکے تھے اس لئے دولت اور حکومت کو پاکر عجیب طوفان فسق و فجور اُن میں ظاہر ہوا اور جس طرح پُرزور سیلاب آنے کے وقت بند ٹوٹ جاتا ہے اور پھر بند ٹوٹنے سے تمام اردگرد کھیتوں اور آبادی کی شامت آجاتی ہے اسی طرح اُن دنوں میں وقوع میں آیا کہ جب عیسائیوں کو تمام اسباب شہوت رانی کے میسر آگئے۔ اور دولت اور قوت اور بادشاہت میں تمام دنیا کے طاقتوروں (باقی اگلے صفحہ پر)

یہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا[1]

بقیہ حاشیہ: سے اوّل نمبر پر ہو گئے۔ تو جیسے ایک سفلہ آدمی فقر و فاقہ کا مارا ہوا دولت اور حکومت پا کر اپنے لچھن دکھلاتا ہے۔ وہ سارے لچھن ان لوگوں نے دکھلائے۔ اوّل وحشیوں اور سخت ظالموں کی طرح وہ خونریزیاں کیں اور ناحق بے موجب کئی لاکھ انسانوں کو قتل کیا اور وہ بے رحمیاں دکھلائیں۔ جن سے بدن کانپ اٹھتا ہے۔ اور پھر امن اور آزادی پا کر دن رات شراب خواری، زناکاری، قماربازی میں شغل رکھنے لگے۔ چونکہ اُن کی بدبختی سے کفارہ کی تعلیم نے پہلے ہی ان کو بدکاریوں پر دلیر کر دیا تھا اور صرف ستر بی بی از بے چادری کا مصداق تھی۔ اب جو چیچی بھی اُن کے گھر میں آ گئی۔ تو پھر کیا تھا ہر یک بدکاری پر ایسے ٹوٹ پڑے جیسے ایک زوردار سیلاب اپنے چلنے کی ایک کھلی کھلی راہ پا کر زور سے چلتا ہے اور ملک پر ایسا بداثر ڈالا کہ غافل اور نادان عرب بھی انہیں کے بداثر سے بیچے گئے وہ نادان اور ناخواندہ تھے۔ جب انہوں نے اپنے اردگرد عیسائیوں کی بداعمالیوں کا طوفان پایا تو اُس سے متاثر ہو گئے۔ یہ بات بڑی تحقیق سے ثابت ہوئی ہے کہ عربوں میں قماربازی اور شراب خواری اور بدکاری عیسائیوں کے خزانہ سے آئی تھی **اخطل عیسائی** جو اس زمانہ میں ایک بڑا شاعر گذرا ہے جس کا دیوان بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور حال میں **بیروت** میں ایک عیسائی گروہ نے بڑے اہتمام اور خوبصورتی سے وہ دیوان چھاپ کر جابجا شائع کیا ہے چنانچہ اس ملک میں بھی آ گیا ہے۔ اُس دیوان میں کئی ایک شعر اس کی یادگار ہیں۔ جو اس کی اور اس وقت کے عیسائیوں کی اندرونی حالت کا نقشہ ظاہر کر رہے ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک یہ ہے۔

بان الشباب وربما عللته
بالغانیات وبالشراب الاصہب

یعنی جوانی مجھ سے جدا ہو گئی اور میں نے اُس کے روکنے کے لئے کئی مرتبہ اور بہت ہو کر یہ حیلہ کیا ہے کہ خوبصورت عورتوں اور سرخ شراب کے ساتھ اپنا شغل رکھا ہے

[1] المائدۃ: ۴

یعنے آج میں نے قرآن کے اتارنے اور تکمیل نفوس سے تمہارا دین تمہارے

بقیہ حاشیہ: اب اس شعر سے صاف ظاہر ہے کہ یہ شخص باوجود پیرانہ سالی اور عیسائیوں کا ایک بزرگ فاضل کہلانے کے پھر بھی زنا کاری کی ایک خواب حالت میں مبتلا رہا اور زیادہ قابل شرم بات یہ کہ بڑھاپو کو بھی بدکاری سے باز نہ آیا اور نہ صرف اسی پر بس کرتا تھا بلکہ شراب پینے کا بھی نہایت درجہ عادی تھا۔ اخطل کی لائف پر اطلاع رکھنے والے اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ وہ اس زمانہ کی عیسائی قوم میں بہت ہی معزز اور علم اور فضیلت کی رو سے گویا ان میں صرف ایک ہی تھا اور اس کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف اس خیال کو جو کفارہ کے مسئلہ سے اس کو ملا تھا شاعرانہ لباس میں ادا کرتا۔ بلکہ وہ پادریوں کا بھی منصب رکھتا تھا۔ اور جن گرجاؤں کا اس نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے یقین کیا جاتا ہے کہ وہ ان میں ایک پیشرو پادری کی حیثیت سے بلا نامہ جاتا تھا اور سب لوگ اسی کے نقش قدم پر چلتے تھے۔ کیا اس زمانہ کے تمام عیسائیوں میں سے اس کے یگانہ روزگار ہونے میں یہ دلیل کافی نہیں کہ کروڑہا عیسائیوں اور پادریوں میں سے صرف وہی اس زمانہ کا ایک آدمی ہے جس کی یادگار نیزہ سورس میں اس زمانہ میں پائی گئی۔ غرض عیسائیوں میں سے صرف ایک اخطل ہی ہے جو پرانے عیسائیوں کے چال چلن کا نمونہ بطور یادگار چھوڑ گیا۔ اور نہ صرف اپنا ہی نمونہ بلکہ اس نے گواہی دے دی کہ اس وقت کے تمام عیسائیوں کا یہی حال تھا۔ اور درحقیقت وہی چال چلن بطور سلسلہ تعامل کے اب تک یورپ میں چلا آتا ہے عیسائی مذہب کا پایہ تخت ملک کنعان تھا۔ اور یورپ میں اسی ملک سے یہ مذہب پہنچا اور ساتھ ہی ان تمام خرابیوں کا تحفہ بھی ملا۔ غرض اخطل کا دیوان نہایت قدر کے لائق ہے جس نے اس وقت کے عیسائی چال چلن کا تمام پردہ کھول دیا اور تاریخ پتہ نہیں دے سکتی کہ اس زمانہ کے عیسائیوں میں سے کوئی اور بھی ایسا ہے جس کی کوئی تالیف عیسائیوں کے ہاتھ میں ہو۔ ہمیں اخطل کی سوانح پر نظر ڈالنے کے بعد ماننا پڑتا ہے کہ وہ انجیل سے بھی خوب واقف تھا۔ باقی اگلے صفحہ پر

لئے کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کر لیا

بقیہ حاشیہ۔ کیونکہ اس نے اس وقت کے تمام عیسائیوں اور پادریوں میں خصوصیت کے ساتھ وہ علمیت اور قابلیت دکھلائی کہ اس وقت کے عیسائیوں اور پادریوں میں سے کوئی بھی دکھلا نہ سکا۔ بہرحال ہمیں ماننا ہی پڑا کہ وہ اس وقت کے عیسائیوں کا ایک **منتخب نمونہ** ہے۔ مگر ابھی آپ سن چکے ہیں کہ وہ اس بات کا اپنے منہ سے اقراری ہے کہ میں خوبصورت عورتوں اور عمدہ شراب کے ساتھ پیرانہ سالی کے ملال کو دفع کرتا ہوں۔ اور اس وقت کے شعرا کا یہی محاورہ تھا کہ وہ اپنی بدکاریوں کو انہیں الفاظ سے ادا کرتے تھے۔ اور وہ لوگ حال کے نادان شاعروں کی طرح صرف فرضی خیالات کی بندش نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی زندگی کے واقعات کا نقشہ کھینچ کر دکھلاتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کے دیوان محققوں کی نظر میں نکمے نہیں سمجھے گئے۔ بلکہ تاریخی کتب کا ان کو پورا مرتبہ دیا گیا ہے اور وہ پرانے زمانے کے رسوم اور عادات اور جذبات اور خیالات کو کامل طور پر ظاہر کرتے ہیں۔ اسی واسطے اہل اسلام نے جو علم دوست ہیں۔ ان کے قصائد اور دیوانوں کو ضائع نہیں کیا۔ تا کہ ہر زمانہ کے لوگ بچشم خود معلوم کر سکیں کہ اسلام سے پہلے عرب کا کیا حال تھا۔ اور پھر اسلام کے بعد قادر خدا نے کس تقویٰ اور طہارت سے ان کو رنگین کر دیا۔ اگر اخطل اور دیوان حماسہ اور **سبعہ معلقہ** اور **اغانی** کے وہ اشعار جو جاہلیت کے شعرا کے صاحب اغانی نے لکھے ہیں اور جو **لسان العرب** اور **صحاح جوہری** وغیرہ پرانی کتابوں میں موجود ہیں نظر کے سامنے رکھے جائیں۔ اور پھر ان کے مقابل پر اسلام کو دیکھا جائے تو بدیہی طور پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس تاریک زمانہ میں اسلام اس طرح پر چہرہ نما ہوا کہ جیسے ایک نہایت درجہ کی تاریکی میں یک دفعہ آفتاب نکل آتا ہے۔ اس مقابلہ سے ایک نظارہ قدرت معلوم ہوتا ہے اور دل بول اٹھتا ہے کہ اللہ اکبر کیسی اس وقت قرآن شریف کے نزول کی ضرورت تھی۔ درحقیقت اس قوی دلیل نے تمام مخالفوں کو پاؤں کے نیچے کچل دیا ہے۔ پھر ہم اپنے مضمون کی طرف عود کر کے لکھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ کوئی نادان اخطل کی نسبت (باقی اگلے صفحہ پر)

حاصل مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید جس قدر نازل ہونا تھا نازل ہو چکا اور مستعد دلوں

بقیہ حاشیہ: یہ سوال پیش کرے کہ کیوں یہ جائز نہیں کہ اخطل اپنی پیرانہ سالی کے زمانہ میں بہت سی خوبصورت عورتیں اپنے نکاح میں لایا ہو تو اس صورت میں زنا کا الزام اس پر کیونکر عاید ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اخطل نے اپنے شعر میں اس مضمون کو ہرگز ظاہر نہیں کیا۔ کہ وہ خوب صورت عورتیں میری بیویاں ہیں بلکہ ایسی طرز پر اپنے کلام کو ظاہر کیا ہے جیسا کہ بدکار اور بدچلن آدمی ہمیشہ ظاہر کیا کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اُس نے خوب صورت عورتوں کے ساتھ عمدہ شراب کو بھی جوڑ دیا ہے کیونکہ شراب بدمعاشی کے لوازم میں سے ہے اور ماسوا اس کے یہ بات کسی پر پوشیدہ نہیں کہ عیسائی مذہب میں صرف ایک جورو تک جائز ہے۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ قوم کے لوگ اپنے مذہب اور رسم کے مخالف اُس کو خوبصورت لڑکیاں دے دیتے یہ قبول کیا کہ وہ اپنے علم اور فضل کے رو سے تمام قوم سے بہتر تھا اور جیسا کہ اس زمانہ میں ایک لاٹ پادری بشپ کو اپنی قوم میں ایک عام وجاہت ہوتی ہے یہی وجاہت یا اس سے زیادہ اس کو حاصل تھی اور وہ مقتدا اور پیشوا اور ساری قوم کا برگزیدہ تھا۔ مگر تاہم یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ لوگ عمداً اپنی خوبصورت لڑکیاں قدیم رسم کے مخالف اُس کے نکاح میں لاتے ہوں اور اس کا یہ شعر بلند آواز سے پکار رہا ہے کہ صرف زنا کے طور پر یہ ناجائز حرکتیں اُس سے صادر ہوتی تھیں تبھی تو شراب کباب کا سلسلہ بھی ساتھ جاری تھا کوئی قبول کر سکتا ہے کہ ایک تو بڈھا آدمی اور پھر لڑکی کو سوت کا دُکھ اور پھر لڑکی پر لڑکی دینا مذہب کے مخالف رسم کے مخالف قومی اتفاق کے مخالف اور پھر لوگ اندھے ہو کر میاں اخطل کو اپنی خوبصورت لڑکیاں دیتے جائیں اور وہ تین خم شراب کے بھی ساتھ لے آویں۔ بے شک اس خیال محال کو تو کوئی بھی قبول نہ کرے گا اصل بات تو وہی ہے جو ہم لکھ چکے جس کی نظیریں اب بھی یورپ میں نہ صدہا نہ ہزارہا بلکہ لاکھوں موجود ہیں۔ یورپ کے سفر میں سمندر سے پار ہوتے ہی یہ نظارہ جابجا نظر آ جائے گا۔ ماسوا اس کے اخطل کا صرف یہی شعر نہیں۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

میں نہایت عجیب اور حیرت انگیز تبدیلیاں پیدا کر چکا اور تربیت کو کمال تک

بقیہ حاشیہ: بلکہ اس سے بھی بڑھ کر دیوان اخطل میں ایک اور شعر ہے جو اس وقت ہم وہ بھی ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں اور وہ یہ ہے:

اِنّ من یدخل الکنیسۃ یوماً
یلقِ فیھا جاٰذِرٍ وظباءً

ترجمہ اس شعر کا یہ ہے کہ اگر ہمارے گرجا میں کسی دن کوئی جائے تو بہت سے گوزن بچے اور ہرن اس میں پائے گا۔ یعنی بہت سی خوبصورت اور جوان اور باجمال اور چست عورتوں کو دیکھ کر حظ اٹھائے گا یعنی گویا اس میں میاں اخطل لوگوں کو رغبت دیتے ہیں کہ ضرور گرجا میں جانا چاہیئے اور یہ لطف اٹھانا چاہیئے

اب اس شعر سے دو باتیں نکلتی ہیں۔ اوّل یہ کہ اخطل نے اپنی قوم کے لئے کوئی گرجا بھی بنایا ہوا تھا جس میں وہ ایک پادری کی حیثیت سے جایا کرتا تھا اور بظاہر انجیل اپنے ہاتھ میں لے کر لوگوں کی لڑکیوں اور بہوؤں کو تاڑا کرتا تھا اور انہیں سے ناجائز تعلقات کر رکھے تھے۔ دوسری یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ ان ناجائز تعلقات کو قوم کچھ بھی برا نہیں مانتی تھی اور ایسے نظرباز کو گرجا سے نہیں نکالتی تھی اور پادری کے منصب سے علیحدہ نہیں کرتی تھی۔ حالانکہ ان کو کم سے کم یہ تو خبر تھی کہ یہ شخص ناپاک دل ہے اور ناپاک حرکات کا دل میں قصد رکھتا ہے کیونکہ اس کے گندے شعر جو یارانہ اور آشنائی پر دلالت کرتے تھے۔ قوم سے مخفی نہیں تھے پس اس سے بڑھ کر اس بات پر اور کیا دلیل ہو گی کہ وہ ساری قوم ہی فسق و فجور میں مبتلا تھی۔ اور ان کے گرجے طوائف کے کوٹھوں کی طرح تھے اور ان مرد اور عورتوں کے جمع ہونے کے لئے جو بدوضع اور ناپاک خیال تھے گرجوں سے بہتر اور کوئی مکان نہ تھا۔ یعنی وہ گرجوں ہی میں اپنے نفسانی جذبات کے پورا کرنے کے لئے موقعہ پاتے تھے۔ اور اخطل صرف اپنے ہی نفسانی جذبات میں مبتلا نہیں تھا بلکہ وہ عیسائیوں کی کسی عورت یا لڑکی کو بھی پاکدامن نہیں سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس کے دیوان میں جس کے ساتھ عیسائی محققوں نے اس کی لائف کو بھی شائع کیا ہے۔ اس کی سوانح میں یہ درج کیا ہے

پہنچا دیا اور اپنی نعمت کو ان پر پورا کر دیا اور یہی دو رکن ضروری ہیں جو ایک

بقیہ حاشیہ: کہ وہ اسی عورتوں کے معاملہ میں ایک مرتبہ کنیسہ دمشق میں قید بھی کیا گیا اور یہ الزام لگایا گیا کہ وہ عیسائی عورتوں کی پاکدامنی کا قائل نہیں ہے۔ چنانچہ ایک شریف اور معزز مسلمان کی فرمائش سے دمشق کے قسیس نے اس کو رہا کر دیا لیکن اخطل نے تادم مرگ اپنی رائے کو ہرگز تبدیل نہیں کیا چنانچہ عیسائی عورتوں کی نسبت اس کے اشعار اب تک زبان زد خلائق ہیں۔

اسی کتاب کے صفحہ ۳۳۹ میں اخطل کی لائف میں لکھا ہے کہ وہ اپنے اشعار میں شراب کی بہت تعریف کرتا تھا اور شراب کے فوائد پر وہ خوب مطلع اور تجربہ کار تھا۔ پھر اس کی لائف میں صفحہ ۳۴۰ میں لکھا ہے کہ اخطل ایک پکا عیسائی تھا اور اپنے دین پر مضبوط پنجہ مارا ہوا تھا۔ اور گرجا کے دعایا کو خوب یاد رکھا ہوا تھا اور صلیب کو اپنے سینہ پر ہر وقت لٹکائے رکھتا تھا اسی لئے اس کا نام لوگوں میں ذوالصلیب مشہور تھا۔ پھر اسی صفحہ میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سلطان عبد الملک بن مروان نے جس کے دربار میں یہ ملازم بھی تھا اس کو کہا کہ تو مسلمان ہو جا تو اس نے جواب دیا کہ اگر شراب پینا میرے لئے حلال کر دو اور رمضان کے روزے بھی مجھے معاف ہو جائیں تو میں مسلمان ہونے کے لئے تیار ہوں۔ دیکھو ابھی کہا تھا کہ یہ پکا عیسائی اور ذوالصلیب اس کا نام ہے۔ اور اب یہ بھی لکھ دیا کہ یہ شخص ایک شراب کے بدلے پر عیسائی مذہب کو فروخت کرنے کے لئے تیار تھا۔ غرض اس کی لائف میں یہی لکھا ہے کہ یہ ایک شراب خوار آدمی تھا اور اس بات کا اس کو اپنے شعروں میں خود اقرار ہے کہ یہ بیگانہ عورتوں سے بالکل پرہیز نہیں کر سکتا تھا اور نیز یہ بھی اقرار ہے کہ اس زمانہ کے عیسائی مرد اور عورتوں کا عموماً چال چلن اچھا نہیں تھا اور ایک خفیہ بدکاری اُن میں جاری تھی۔ ہاں اس میں ایک بڑی دلیری یہ تھی۔ کہ یہ بڑی جرأت کے ساتھ عیسائیوں کے فسق و فجور کو ظاہر کرتا اور اُن کے گرجاؤں کو بدکاری کی جگہ بتلاتا تھا اور اپنی بدچلنی کو بھی نہیں چھپاتا تھا۔ چنانچہ اسی کتاب کے صفحہ ۳۴۰ میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ عبد الملک نے اس سے دریافت کیا کہ تجھے شراب پینے سے کیا حاصل ہے

بنی کے آنے کی علت غائی ہوتے ہیں۔ اب دیکھو یہ آیت کس زور شور سے بتلا رہی

بقیہ حاشیہ تو اُس نے فی الفور یہ دو شعر پڑھ کر سنا دیئے۔

اذا ما ندیمی علّنی ثم علّنی ثلاث زجاجات لھن ھدیر

جعلت اجرّ الذیل منّی کانّنی علیک امیر المومنین امیر

یعنی جب میرے ساقی نے تین ایسی بوتلوں کی مجھے شراب پلائی جن کے شراب نکالنے کے وقت ایک خوش آواز تھی تو میں مستی سے ایسا دامن کشاں چلنے لگا کہ گویا تیرے پر یا امیر المومنین میں امیر ہوں غرض چونکہ اکابر اسلام نے مسلمان ہونے کے لئے کبھی کسی پر جبر نہیں کیا اس لئے بجز تبلیغ کے اور کچھ بھی اس پر نہ بخشش ظاہر نہ کی گئی اور وہ مروانی ملوک کے دربار میں ہزار ہا درہم کا انعام پاتا رہا اور وہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی پیدا ہوا تھا اور ہر چہار خلیفہ رضی اللہ عنہم کا اُس نے زمانہ پایا تھا اور بلاد شام میں رہتا تھا اور خوب بڈھا ہو کر فوت ہوا۔ اُس نے یہ نہایت عمدہ کام کیا کہ اپنے اشعار میں عیسائی چال چلن کا نقشہ کھینچ کر دکھلا دیا ہے اور نہایت صاف گواہی دے دی کہ اس وقت کے عیسائی لوگ نہایت مکروہ بدچلنیوں میں گرفتار تھے اور شراب خواری اور ہر قسم کی بدکاری کہ اُن پر غالب آگئی تھی۔ اور چونکہ عیسائی مذہب کا اصل مبدا اور منبع بلاد شام ہی ہے جن بلاد کا وہ متوطن تھا اور جن کا نقشہ کھینچ کر اس نے پیش کیا ہے اس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ کفارہ کا مسئلہ کس قدر جھوٹا اور نابکار فریب ہے جس کا ابتدائے زمانہ میں ہی یہ اثر ثابت ہوا کہ عیسائی لوگ ہر ایک قسم کے فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے۔ اخطل کا زمانہ حضرت مسیح کے زمانہ سے کچھ بہت دور نہیں تھا صرف چھ سو برس گذرے تھے مگر اخطل کی گواہی اور اُس کے اپنے اقرار سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت کے عیسائی اپنی بدچلنیوں کی رو سے بت پرستوں سے بھی زیادہ گرے ہوئے تھے میں جبکہ تازہ تازہ زمانہ میں کفارہ نے یہ اثر کیا تو وہ لوگ سخت بے وقوف ہیں کہ اب انیسویں صدی میں اس بیہودہ کفارہ سے کوئی بہتری کی امید رکھتے ہیں۔ اُس زمانہ کی عیسائیت کی چال و چلن کے متعلق ایک وہ بھی قصیدہ ہے جو سبعہ معلقہ

ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز اس دنیا سے کوچ نہ کیا جب تک کہ دین اسلام کو

بقیہ حاشیہ: کے چوتھے معلقہ میں عمرو بن کلثوم تغلبی کی طرف سے درج ہے۔ یہ بات کسی تاریخ دان پر پوشیدہ نہیں کہ بنی **تغلب** عیسائی تھے اور وہی تمام عرب میں سب سے بڑھ کر فسق و فجور اور ظلم اور زیادتی میں شمار کئے گئے تھے۔ چنانچہ یہ قصیدہ بنی تغلب کے چال چلن پر پورا گواہ ہے کہ کیونکر وہ اوّل درجہ کے خونی اور جنگجو اور کینہ ور اور فاسق اور شراب خوار اور شہوات نفسانیہ کے پورا کرنے کے لئے بیجا خرچ کرنے والے اور اپنے فسق و فجور پر کھلا کھلا ناز کرنے والے تھے۔ اور ہم اس جگہ صرف دو شعر تغلبی مذکور کے بطور نمونہ کے لکھتے ہیں اور سبعہ معلقہ کے قصیدہ خامسہ میں موجود ہیں جس کا جی چاہے دیکھ لے اور وہ یہ ہیں

الاھُبّی بصحنک فاصبحینا ۔۔۔ ولا تبقی خمور الاندرینا

وکاس قد شربت ببعلبک ۔۔۔ واُخریٰ فی دمشق وقاصرینا

یعنی اے میری معشوقہ (یہ اس کی معشوقہ درحقیقت اس کی والدہ ہی تھی) شراب کا پیالہ لے کر اُٹھ اور قصبہ "اندرین" میں جس قدر شرابیں بنائی جاتی ہیں وہ سب مجھے پلا دے اور ایسا کر کہ شراب کے ذخیروں میں کچھ بھی باقی نہ رہ جائے۔ پھر کہتا ہے کہ میں نے مقام بعلبک میں بہت شراب پی ہے اور پھر اسی قدر میں نے دمشق میں بھی پی اور ایسا ہی مقام قاصرین میں بھی پیتا رہا۔ سچ ہے کہ عیسائیوں کو بجز شراب پینے کے اور کیا کام تھے۔ یہی تو وہ دین کی جڑ تھی جو عشاء ربانی میں داخل ہے۔ لیکن عجیب تر یہ ہے کہ یہ عیسائی اپنی حقیقی والدہ پر عاشق ہو گیا۔ اور ناظرین کو معلوم رہے کہ اندرین بلاد شام میں ایک قصبہ کا نام ہے۔ جس میں حضرات عیسائی ہر قسم کی شراب بناتے تھے اور پھر اُن شرابوں کو دور دور کے ملکوں میں لے جاتے تھے اور اُن کے مذہب میں شراب پینا صرف جائز ہی نہ تھا بلکہ ہندوؤں کے بام مارگی فرقہ کی طرح مذہب کی بھاری جزو تھی جس کے بغیر کوئی عیسائی نہیں ہو سکتا تھا اس لئے قدیم سے عیسائیوں کو شراب کے ساتھ بہت کچھ تعلقات رہے ہیں۔ اور اس زمانہ میں بھی انواع اقسام شرابوں کے موجد عیسائی لوگ ہی ہیں۔ یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ عرب کے ملک میں بھی عیسائی لوگ ہی شراب لے گئے اور ملک کو تباہ کر دیا معلوم ہوتا

تنزیلِ قرآن اور تکمیل نفوس کامل نہ کیا گیا ✤ اور یہی ایک خاص علامت منجانب اللہ

بقیہ حاشیہ: ہے کہ بت پرستی کے خیال کو بھی عیسٰے پرستی کے خیال نے ہی تقویت دی۔ اور عیسائیوں کی ریس سے وہ لوگ بھی مخلوق پرستی پر زیادہ جم گئے۔ یاد رہے کہ عرب کے جنگلی لوگ شراب کو جانتے بھی نہیں تھے کہ کس بلا کا نام ہے مگر جب حضرات عیسائی وہاں پہنچے اور انہوں نے بعض نو مریدوں کو بھی تحفہ دیا۔ تب تو یہ خراب عادت دیکھا دیکھی عام طور پر پھیل گئی اور نماز کے پانچ وقتوں کی طرح شراب کے پانچ وقت مقرر ہو گئے۔ یعنی جاشریہ[۱] جو صبح قبل طلوع آفتاب کی شراب ہے صبوح[۲] جو بعد طلوع کے شراب پی جاتی ہے۔ رغبوق[۳] جو ظہر اور عصر کی شراب کا نام ہے قیل[۴] جو دوپہر کی شراب کا نام ہے۔ فحم[۵] جو رات کی شراب کا نام ہے۔ اسلام نے ظہور فرما کر یہ تبدیلی کی۔ جو ان پانچ وقتوں کے شرابوں کی جگہ پانچ نمازیں مقرر کردیں اور ہر یک بدی کی جگہ نیکی رکھ دی اور مخلوق پرستی کی جگہ خدا تعالیٰ کا نام سکھا دیا۔ اس پاک تبدیلی سے انکار کرنا کسی سخت بد ذات کا کام ہے نہ کسی سعید انسان کا کیا کوئی مذہب ایسی بزرگ تبدیلی کا نمونہ پیش کرسکتا ہے ہر گز نہیں اور اس وقت ہم عیسائیوں کے اقراری اشعار میں سے اسی پر کفایت کرتے ہیں۔ لیکن اگر کسی نے چون و چرا کیا تو کئی سو اسی طور کے شعر ان کی نذر کیا جائے گا مگر میں یقین رکھتا ہوں کہ اس موقعہ پر کوئی بھی نہیں بولے گا کیونکہ ایسے ہزارہا شعر جو جرائم ورزی کے اقرار پر مشتمل ہیں کیونکر چھپ سکتے ہیں۔

اب کوئی پادری عماد الدین صاحب سے جنہوں نے عدم ضرورت قرآن پر ناحق بیجا تعصب سے یاوہ گوئی کی ہے پوچھے کہ کیا اب بھی ضرورت قرآن کے بارے میں آپ کو اطلاع ہوئی یا نہیں۔ یا کیا ہم نے ثابت نہیں کردیا کہ قرآن اس وقت نازل ہوا کہ جب تمام عیسائی جذامیوں کی طرح گل سڑ گئے

✤ **حاشیہ:** خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں صحابہ کو مخاطب کیا کہ میں نے تمہارے دین کو کامل کیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کی اور اس آیت کو اس طور سے نہ فرمایا کہ اے نبی آج میں نے قرآن کو کامل کردیا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ تا ظاہر ہو کہ صرف قرآن کی تکمیل نہیں ہوئی بلکہ ان کی بھی تکمیل ہو گئی کہ جن کو قرآن پہنچایا گیا اور رسالت کی علت غائی کمال تک پہنچ گئی۔ منہ

ہونے کی ہے جو کاذب کو ہرگز نہیں دی جاتی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

بقیہ حاشیہ تھے اور ان کی محبت سے دوسرے لوگ بھی تباہ ہو گئے تھے۔ حقیقی ضرورت اِس کا نام ہے۔ یا وہ جو
انجیل کے لئے پیش کی جاتی ہے۔ مسیح کی جان گئی اور عیسائی پہلے سے بھی بدتر ہو گئے۔ اگر عطا کرد اس صاحب چاہیں
تو ہم دس ہزار تک ایسے شخص پیش کر سکتے ہیں جن میں مخالفین نے اپنی جرائم ورزی کا اقرار کیا ہے۔ اب بھی
بعض بعض جرائم میں عیسائی سب سے اول نمبر پر ہیں۔ اس ام الخبائث شراب کی نسبت ہی دیکھئے کہ صرف
ایک شہر لنڈن میں شراب کی اس قدر دکانیں ہیں کہ حساب کیا گیا کہ اگر ان کو ایک لائن میں لگائیں تو ۲۰ میل
میں آئیں۔ زانیہ عورتوں کی انگلستان میں اس قدر کثرت ہے کہ خاص لنڈن میں ایک لاکھ سے کچھ زیادہ
ہوں گی۔ اور جو خفیہ طور پر پاکدامن لیڈیوں کی بہادری سے ولد الحرام پیدا ہوتے ہیں بعض نے حساب کیا
ہے کہ وہ فیصدی ۷۵ ہیں۔ قماربازی کا وہ زور شور ہے کہ خدا کی پناہ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم
کے دلوں سے عظمت الٰہی بالکل اٹھ گئی ہے۔ انسان کو خدا بنا چھوڑا ہے۔ بدیوں کو نیکی سمجھ لیا ہے۔
سچ تو یہ ہے کہ مسیح کی خودکشی کے خیال نے ان کو ہلاک کر دیا اور جس قدر توریت کے احکام بدکاریوں
سے بچنے کے متعلق اور نیک راہوں پر چلنے کے تھے کفارہ نے سب سے فراغت کر دی۔ اسلام سے
اس قدر دشمنی ان لوگوں کو ہے جس قدر شیطان کو دشمنی سچائی سے ہے کوئی ان میں سے غور نہیں کرتا کہ
اسلام نے کون سی نئی بات پیش کی جو قابل اعتراض ہے۔ موسیٰؑ نے کئی لاکھ بے گناہ بچے مار ڈالے
کوئی عیسائی نہیں کہتا کہ برا کام کیا۔ لیکن ہمارے سیّد و مولیٰ آنحضرت صلعم نے ان پر تلوار اٹھائی جنہوں
نے پہلے تلوار اٹھائی اور ان کو مارا جو پہلے بہت سے مسلمانوں کو مار چکے تھے مگر پھر بھی آپ نہیں بلکہ اس وقت
جبکہ انہوں نے خود تعاقب کیا اور خود چڑھائی کی نہ بچوں کو مارا نہ بوڑھوں کو۔ بلکہ جو مجرم ہو چکے تھے انہیں
کو سزا دی گئی یہ سزا عیسائیوں کو بہت بری معلوم ہوتی ہے۔ جا بجا لیکچر دیا کرتے ہیں کیا اس سے
ثابت نہیں ہوتا کہ مارے بغض کے ان کے دل سیاہ ہو گئے۔ غضب کی بات ہے کہ عاجز انسان کو
خدا کہہ کر ان کا بدن نہیں کانپتا کچھ بھی باز پرس کے دن کا ان کو خوف نہیں آتا۔ اگر حضرت مسیح ایک دن

پہلے کسی صادق نبی نے بھی اس اعلیٰ شان کے کمال کا نمونہ نہیں دکھلایا کہ ایک طرف کتاب اللہ بھی آرام اور امن کے ساتھ پوری ہو جائے اور دوسری طرف تکمیل نفوس بھی ہو اور بایں ہمہ کفر کو ہر یک پہلو سے شکست اور اسلام کو ہر یک پہلو سے فتح ہو

اور پھر دوسری جگہ فرمایا کہ* إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ

بقیہ حاشیہ: کے لئے زندہ ہو کر آجائیں اور کہا جائے کہ دیکھو یہ تمہارا خدا۔ ان سے ذرہ مصافحہ تو کیجئے تو شرم میں غرق ہو جائیں۔ کمبخت مخلوق دستوں نے عاجز بندوں کے مرنے کے بعد کیا کیا ان کو نہا دیا ۔ لا حیا نہیں۔ خدا تعالیٰ کا خوف نہیں یہ بھی نہیں سوچتے کہ مسیح نے پہلے نبیوں سے بڑھ کر کیا دکھلایا۔ خدائی کی مدمیں کون سے کام کئے۔ کیا یہ کام خدائی کے تھے کہ ساری رات آنکھوں میں سے رو رو کر نکالی پھر بھی دعا منظور نہ ہوئی۔ ایلی ایلی کہتے جان دی۔ باپ کو کچھ بھی رحم نہ آیا۔ اکثر پیشگوئیاں پوری نہ ہوئیں معجزات پر تالاب نے دھبہ لگایا۔ فقیہوں نے پکڑا اور خوب پکڑا اور کچھ پیش نہ گئی۔ ایلیا کی تاویل میں کچھ عمدہ جواب بن نہ پڑا۔ اور پیشگوئی کو اپنے ظاہر الفاظ پر پوری کرنے کے لئے ایلیا کو زندہ کر کے دکھلا نہ سکا اور ایلی ایلی لما سبقتنی کہہ کر بصد حسرت اس عالم کو چھوڑا ایسے خدا سے تو ہندوؤں کا خدا رام چندر ہی اچھا رہا جس نے جیتے جی راون سے اپنا بدلہ لے لیا اور نہ چھوڑا جب تک اس کو ہلاک نہ کیا اور اس کے شہر کو جلا نہ دیا۔ ہاں کفارہ کا ڈھکوسلا پیچھے سے بنایا گیا۔ مگر دیکھنا چاہئے کہ اس سے فائدہ کیا ہوا عیسائیوں پر تو اور بھی گناہ کا بھوت سوار ہو گیا۔ کون سی بدی ہے جس سے وہ رک گئے کون سی ناپاکی ہے جس میں وہ گرفتار نہ ہوئے افسوس کہ خود کشی یوں ہی برباد گئی۔ منہ

* **حاشیہ:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں نہایت درجہ کا یہ جوش تھا کہ میں اپنی زندگی میں اسلام کا زمین پر پھیلنا دیکھ لوں اور یہ بات بہت ہی ناگوار تھی کہ حق کو زمین پر قائم کرنے سے پہلے سفر آخرت پیش آوے۔ خدا تعالیٰ اس آیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خوشخبری دیتا

فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا[1] یعنی جبکہ آنے والی مدد اور فتح آ گئی جس کا وعدہ دیا گیا تھا اور تو نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج در فوج دین اسلام میں داخل ہوتے جاتے ہیں پس خدا کی حمد اور تسبیح کر یعنی یہ کہہ کہ یہ جو ہوا وہ مجھ سے نہیں بلکہ اُس کے فضل اور کرم اور تائید سے ہے اور الوداعی استغفار کر کیونکہ وہ رحمت کے ساتھ بہت ہی رجوع کرنے والا ہے استغفار کی تعلیم جو نبیوں کو دی جاتی ہے۔ اُس کو عام لوگوں کے گناہ میں داخل کرنا عین حماقت ہے۔ بلکہ دوسرے لفظوں میں یہ لفظ اپنی نیستی اور تذلل اور کمزوری کا اقرار اور مدد طلب کرنے کا متواضعانہ طریق ہے چونکہ اس سورۃ میں فرمایا گیا ہے کہ جس کام کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے وہ پورا ہو گیا یعنی یہ کہ ہزارہا لوگوں نے دین اسلام قبول کر لیا۔ اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی طرف بھی اشارہ ہے چنانچہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک برس کے اندر فوت ہو گئے۔ پس ضرور تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نزول سے جیسا کہ خوش ہوئے تھے غمگین بھی ہوں کیونکہ باغ تو لگایا گیا مگر ہمیشہ کی آب پاشی کا کیا انتظام ہوا سو خدا تعالیٰ نے اسی غم کے دور کرنے کے لئے استغفار کا حکم دیا۔ کیونکہ لغت میں مغفرت ایسے ڈھانکنے کو کہتے ہیں جس سے انسان آفات سے محفوظ رہے۔ اسی وجہ سے مغفر جو خود کے معنی رکھتا ہے اسی میں سے نکالا گیا ہے اور مغفرت مانگنے سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ

بقیہ حاشیہ ہے کہ دیکھ میں نے تیری مراد پوری کر دی اور کلیم و بخش اس مراد کا ہر یک نبی کو خیال تھا اگرچہ تھا اس درجہ کا جوش نہیں تھا اس لئے نہ مسیح کو اور نہ موسیٰؑ کو یہ خوشخبری ملی بلکہ اسی کو ملی جس کے حق میں قرآن نے فرمایا لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین یعنی کیا تو اس غم سے ہلاک ہو جائے گا کہ یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لاتے۔ منہ

[1] النصر : ۲-۴

جس بلا کا خوف ہے یا جس گنہ کا اندیشہ ہے۔ خدا تعالیٰ اس بلا یا اُس گنہ کو ظاہر ہونے سے روک دے اور ڈھانکے رکھے۔ سو اس استغفار کے ضمن میں یہ وعدہ دیا گیا کہ اس دین کے لئے عمر مت کھا۔ خدا تعالےٰ اس کو ضایع نہیں کرے گا اور ہمیشہ رحمت کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرتا رہے گا اور اُن بلاؤں کو روک دے گا جو کسی ضعف کے وقت عاید حال ہو سکتی ہیں۔

اکثر **نادان عیسائی** مغفرت کی سچی حقیقت نہ دریافت کرنے کی وجہ سے یہ خیال کر لیتے ہیں کہ جو شخص مغفرت مانگے وہ فاسق اور گنہ گار ہوتا ہے مگر مغفرت کے لفظ پر خوب غور کرنے کے بعد صاف طور پر سمجھ آجاتا ہے کہ فاسق اور بدکار وہی ہے جو خدا تعالےٰ سے مغفرت نہیں مانگتا۔ کیونکہ جبکہ ہریک سچی پاکیزگی اُسی کی طرف سے ملتی ہے اور وہی نفسانی جذبات کے طوفانوں سے محفوظ اور معصوم رکھتا ہے۔ تو پھر خدا تعالیٰ کے راستبازبندوں کا ہریک طرفۃ العین میں یہی کام ہونا چاہیئے کہ وہ اس حافظ اور عاصم حقیقی سے مغفرت مانگا کریں۔ اگر ہم جسمانی عالم میں مغفرت کا کوئی نمونہ تلاش کریں۔ تو ہمیں اس سے بڑھ کر اور کوئی مثال نہیں مل سکتی کہ مغفرت اس مضبوط اور ناقابل بند کی طرح ہے جو ایک طوفان اور سیلاب کے روکنے کے لئے بنایا جاتا ہے پس چونکہ تمام زور تمام طاقتیں خدا تعالیٰ کے لئے مسلم ہیں اور انسان جیسا کہ جسم کے رو سے کمزور ہے روح کے رو سے بھی ناتوان ہے اور اپنے شجرہ پیدائش کے لئے ہریک وقت اُس لازوال ہستی سے آبپاشی چاہتا ہے جس کے فیض کے بغیر یہ جی ہی نہیں سکتا اس لئے استغفار مذکورہ معانی کے رو سے اس کے لازم حال پڑا ہے اور جیسا کہ چاروں طرف درخت اپنی ٹہنیاں چھوڑتا ہے گویا اردگرد کے چشمہ کی طرف اپنے ہاتھوں کو پھیلاتا ہے کہ اے چشمہ میری

مدد کر اور میری سرسبزی میں کمی نہ ہونے دے اور میرے پھلوں کا وقت ضائع ہونے سے بچا یہی حال راستبازوں کا ہے روحانی سرسبزی کے محفوظ اور سلامت رہنے کے لئے یا اُس سرسبزی کی ترقیات کی غرض سے حقیقی زندگی کے چشمہ سے سلامتی کا پانی مانگنا یہی وہ امر ہے جس کو قرآن کریم دوسرے لفظوں میں استغفار کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ قرآن کو سوچو اور غور سے پڑھو استغفار کی اعلیٰ حقیقت پاؤ گے اور ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ **مغفرت** لغت کی رو سے ایسے ڈھانکنے کو کہتے ہیں جس سے کسی آفت سے بچنا مقصود ہے۔ مثلاً پانی درختوں کے حق میں ایک مغفرت کرنے والا عنصر ہے یعنی اُن کے عیبوں کو ڈھانکتا ہے۔ یہ بات سوچ لو کہ اگر کسی باغ کو برس دو برس بالکل پانی نہ ملے تو اس کی کیا شکل نکل آئیگی کیا یہ سچ نہیں کہ اس کی خوبصورتی بالکل دور ہو جائے گی اور سرسبزی اور خوشنمائی کا نام و نشان نہیں رہے گا اور وہ وقت پر کبھی پھل نہیں لائے گا اور اندر ہی اندر جل جائے گا اور پھول بھی نہیں آئیں گے بلکہ اُس کے سبز سبز اور نرم نرم لہلہاتے ہوئے پتے چند روز میں ہی خشک ہو کر گر جائیں گے اور خشکی غالب ہو کر مجذوم کی طرح آہستہ آہستہ اُس کے تمام اعضاء گرنے شروع ہو جائیں گے یہ تمام بلائیں کیوں اُس پر نازل ہوں گی؟ اس وجہ سے کہ وہ پانی جو اس کی زندگی کا مدار تھا اس نے اُس کو سیراب نہیں کیا اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ جل شانہ فرماتا ہے

كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ [1] یعنی پاک کلمہ پاک درخت کی مانند ہے پس جیسا کہ کوئی عمدہ اور شریف درخت

[1] ابراھیم : ۲۵

بغیر پانی کے نشوونما نہیں کرسکتا۔ اسی طرح راستباز انسان کے کلمات طیبہ جو اُس کے منہ سے نکلتے ہیں اپنی پوری سرسبزی دکھلا نہیں کرسکتے اور نہ نشوونما کر سکتے ہیں جب تک وہ پاک چشمہ ان کی جڑوں کو استغفار کے نالے میں بہہ کر تر نہ کرے سو انسان کی روحانی زندگی **استغفار** سے ہے جس کے نالے میں ہو کر حقیقی چشمہ انسانیت کی جڑھوں تک پہنچتا ہے اور خشک ہونے اور مرنے سے بچالیتا ہے جس **مذہب** میں اس **فلسفہ** کا ذکر نہیں وہ مذہب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہرگز نہیں۔ اور جس شخص نے نبی یا رسول یا راستباز یا پاک فطرت کہلا کر اس چشمہ سے منہ پھیرا ہے۔ وہ ہرگز خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ اور ایسا آدمی خدا تعالےٰ سے نہیں بلکہ **شیطان** سے نکلا ہے کیونکہ **شیط** مرنے کو کہتے ہیں پس جس نے اپنے روحانی باغ کو سرسبز کرنے کے لئے اس **حقیقی چشمہ** کو اپنی طرف کھینچنا نہیں چاہا اور استغفار کے نالے کو اس چشمہ سے لبالب نہیں کیا وہ شیطان ہے یعنی مرنے والا ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ کوئی سرسبز درخت بغیر پانی کے زندہ رہ سکے ہر یک **متکبر** جو اس زندگی کے چشمہ سے اپنے روحانی درخت کو سرسبز کرنا نہیں چاہتا وہ **شیطان** ہے اور شیطان کی طرح ہلاک ہوگا۔ کوئی راستباز نبی دنیا میں نہیں آیا جس نے استغفار کی حقیقت سے منہ پھیرا اور اس حقیقی چشمہ سے سرسبز ہونا نہ چاہا۔ ہاں سب سے زیادہ اس سرسبزی کو ہمارے سید و مولیٰ ختم المرسلین فخر الاولین والآخرین **محمد مصطفےٰ** صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگا اس لئے خدا نے اُس کو اس کے تمام ہم منصبوں سے زیادہ سرسبز اور معطر کیا۔

پھر ہم اپنے پہلے مقصد کی طرف عود کر کے لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی **نبوت** اور قرآن کریم کی حقانیت پر اس دلیل سے نہایت اعلےٰ و

واجبی ثبوت پیدا ہوتا ہے کہ آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے وقت میں دنیا میں بھیجے گئے کہ جب دُنیا زبان حال سے ایک عظیم الشان مصلح کو مانگ رہی تھی اور پھر نہ مرے اور نہ مارے گئے جب تک کہ راستی کو زمین پر قایم تر کر دیا*

* حاشیہ: اس جگہ بظاہر ایک اعتراض ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ایک بت پرست کہے کہ گو ہم قبول کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے بت پرستی کا استیصال ہوا لیکن ہم یہ قبول نہیں کرتے کہ بت پرستی درحقیقت بُری تھی بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہی راہ راست تھا جس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے روک دیا۔ پس اس سے لازم آیا کہ آپ نے دُنیا کی اصلاح نہ کی بلکہ صلاحیت کی راہ کو معدوم کر دیا ایسا ہی اگر ایک مجوسی کہے کہ یہ تو میں مانتا ہوں کہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آتش پرستی کی رسم کو نابود کر دیا۔ اور آفتاب پرستی کا بھی نام و نشان کھو دیا مگر یہ بات نہیں مانوں گا کہ یہ کام اچھا کیا بلکہ وہی سچی راہ تھی جس کو مٹا دیا۔ ایسا ہی اگر ایک عیسائی کہے کہ گو مانتا ہوں کہ آنحضرت نے عرب سے عیسائی عقیدہ کی بنیاد اکھیڑ دی مگر میں اس بات کو اصلاح کی مد میں داخل نہیں کر سکتا کہ جو عیسٰی اور اس کی والدہ کی پرستش سے منع کیا گیا اور صلیبوں اور تصویروں کو توڑ دیا گیا یہ کار خیر تھا بلکہ وہی راہ اچھی تھی جس کی مخالفت کی گئی۔ اسی طرح اگر قمار باز اور شراب خوار اور زانی اور لڑکیوں کے قتل کرنے والے اور بخیل یا بے جا خرچ کرنے والے اور طرح طرح کے ظلموں اور خیانتوں کو پسند کرنے والے اور چور اور اُچکے اور ڈاکو اپنے اپنے دلائل پیش کریں اور کہیں کہ اگرچہ ہم قبول کرتے اور مانتے ہیں کہ اسلام میں ہمارے فرقوں کا بہت ہی عمدہ تدارک کیا گیا ہے اور ہزارہا چوروں کو سخت سخت سزائیں دے کر اکثر زمین کے حصہ سے اُن کا شور و شر مٹا دیا لیکن ہماری دانست میں اُن پر ناحق ظلم کیا گیا وہ جان مار کر چوری کرتے اور خود خطرہ میں پڑ کر ڈاکہ مارتے تھے پس ان کا مال اس قدر محنت کے بعد حلال کے ہی حکم میں تھا ناحق اُن کو ستایا گیا اور ایک پرانی رسم جو عبادت میں داخل تھی مٹا دی سو ان سب فرقوں کا جواب یہ ہے کہ یوں تو کوئی شخص بھی ان فرقوں میں سے اپنے منہ سے اپنے تئیں قصوروار نہیں ٹھہرائے گا

جب نبوت کے ساتھ ظہور فرما ہوئے تو آنے ہی اپنی ضرورت دنیا پر ثابت کر دی۔ اور ہر یک قوم کو اُن کے شرک اور ناراستی اور مفسدانہ حرکات پر ملزم کیا جیسا کہ قرآن کریم اس سے بھرا ہوا ہے۔ مثلاً اسی آیت کو سوچ کر دیکھو جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تَبَارَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرًا ۙ[1]

بقیہ حاشیہ لیکن بعض اُن کے بعض پر گواہ ہیں۔ مثلاً ایک شخص رام چندر اور کرشن جی کا پوجا کرنے والا اور ان کو خدا ٹھہرانے والا اس بات سے تو کبھی باز نہیں آئے گا۔ کہ وہ رام چندر اور کرشن کو انسان محض قرار دے بلکہ بار بار اسی بات پر زور دے گا کہ ان دونوں بزرگوں میں پرم آتما کی جوت تھی اور وہ باوجود انسان ہونے کے خدا بھی تھے اور اپنے اندر ایک جہت مخلوقیت کی رکھتے تھے۔ اور ایک جہت خالقیت کی اور مخلوقیت اُن کی حادث تھی اور ایسا ہی مخلوقیت کے عوارض بھی یعنے مرنا اور دکھ اٹھانا یا کھانا پینا سب حادثات تھے۔ مگر خالقیت ان کی قدیم ہے اور خالقیت کی صفات بھی قدیم **لیکن** اگر اُن کو کہا جائے کہ اے بھلے مانسو اگر یہی بات ہے تو **ابن مریم** کی خدائی کو بھی مان لو اور بے چارے عیسائی جو دن رات یہی سیاپا کر رہے ہیں اُن کی بھی تو کچھ خاطر رکھو کہ چون اُب از سر گذشت چہ نیزہ چہ بالشت تب وہ حضرت مسیح کی اس قدر بد تہذیبی سے تکذیب کرتے ہیں کہ خدائی تو بھلا کون مانے اُس غریب کو نبوت سے بھی جواب دیتے ہیں بلکہ بسا اوقات گالیوں تک نوبت پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کو سری مہاراج پرم مورت رام چندر جی اور کرشن جی گوپال رودر سے کیا نسبت۔ وہ تو ایک آدمی تھا جس نے پیغمبری کا جھوٹا دعویٰ کیا کہاں شری مہاراج کرشن جی اور کہاں عیسٰی مریم کا پوتر۔ اور تعجب ہے کہ اگر عیسائیوں کے پاس ان دونوں مہا تما اوتاروں کا ذکر کیا جائے۔ تو وہ بھی ان کی خدائی نہیں مانتے بلکہ بے ادبی سے باتیں کرتے ہیں۔ حالانکہ دنیا میں خدائی کی پہلے پہل بناڈالنے والے یہی دونوں بزرگ ہیں اور چھوٹے چھوٹے خداؤں کے **مورث اعلیٰ** اور ابن مریم وغیرہ تو پیچھے سے نکلے اور ان کی نشاخیں ہیں اور عیسائی مسیح کے خدا بنانے میں انہیں لوگوں کے نقش قدم پر چلے ہیں۔ جنہوں نے ان مہاتماؤں کو خدا

[1] الفرقان : ۲

یعنی وہ بہت ہی برکت والا ہے جس نے قرآن کو اپنے بندہ پر اس غرض سے اتارا جو تمام جہان کو ڈرانے والا ہو یعنے تا ان کی بدراہی اور بدعقیدگی پر ان کو متنبہ کرے پس یہ آیت بصراحت اس بات پر دلیل ہے کہ قرآن کا بھی دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایسے وقت میں تشریف لائے تھے جبکہ تمام دنیا اور تمام قومیں بگڑ چکی تھیں اور مخالف قوموں نے اس دعویٰ کو نہ صرف اپنی خاموشی

بقیہ حاشیہ: بنایا جیسا کہ قرآن کریم اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے دیکھو آیت قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ۔[1] (الجزء نمبر ۱۰) یعنی یہود نے کہا کہ عُزیر خدا کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے یہ سب اُن کے منہ کی باتیں ہیں۔ یہ لوگ اُن لوگوں کی ریس کرتے ہیں جو اُن سے پہلے بعض انسانوں کو خدا بنا کر کافر ہو گئے۔ خدا کے مارو ں نے کہاں سے کہاں پلٹا کھایا؟ سو یہ آیت صریح ہندوں اور یونانیوں کی طرف اشارہ کر رہی ہے اور بتلا رہی ہے جو پہلے انسانوں کو انہیں لوگوں نے خدا قرار دیا۔ پھر عیسائیوں کی بدقسمتی سے یہ اصول اُن تک پہنچ گئے۔ تب انہوں نے کہا کہ ہم ان قوموں سے کیوں پیچھے رہیں اور ان کی بدبختی سے توریت میں پہلے سے یہ محاورہ تھا کہ انسانوں کو بعض مقامات میں خدا کے بیٹے قرار دیا تھا بلکہ خدا کی بیٹیاں بھی بلکہ بعض گذشتہ لوگوں کو خدا بھی کہا گیا تھا۔ اس عام محاورہ کے لحاظ سے مسیح پر بھی انجیل میں ایسا ہی لفظ بولا گیا پس وہی لفظ نادانوں کے لئے زہر قاتل ہو گیا۔ تمام **بائبل** دہائی دے رہی ہے کہ یہ لفظ ابن مریم سے کچھ خاص نہیں ہر یک نبی اور راستباز پر بولا گیا ہے بلکہ **یعقوب نخست زادہ** کہلایا ہے۔ مگر بدقسمت انسان جب کسی پیچ میں پھنس جاتا ہے تو پھر اُس سے نکل نہیں سکتا۔ پھر عجیب تر یہ کہ جو کچھ مسیح کی خدائی کے لئے قواعد بیان کئے گئے ہیں کہ وہ خدا بھی ہے انسان بھی یہ تمام قواعد کرشن اور رام چندر کے لئے ہندوؤں کی کتابوں میں پہلے سے موجود ہیں۔ اور اس نئی

[1] التوبۃ : ۳۰

سے بلکہ اپنے اقراروں سے مان لیا ہے۔ پس اس سے بداہت نتیجہ نکلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت ایسے وقت میں آئے تھے جس وقت میں ایک سچے اور کامل نبی کو آنا چاہیئے پھر جب ہم دوسرا پہلو دیکھتے ہیں کہ آنجناب صلعم کس وقت واپس بلائے گئے تو قرآن صاف اور صریح طور پر ہمیں خبر دیتا ہے کہ ایسے وقت میں

بقیہ حاشیہ: تعلیم سے ایسے مطابق پڑے ہیں کہ ہم بجز اس کے اور کوئی بھی رائے ظاہر نہیں کر سکتے کہ یہ تمام ہندوؤں کے عقیدوں کی نقل کی گئی ہے۔ ہندوؤں میں ترے مورتی کا بھی عقیدہ تھا جس سے برہما بشن۔ مہادیو کا مجموعہ مراد ہے سو تثلیث ایسے عقیدے کا عکس کھینچا ہوا معلوم ہوتا ہے مگر عجیب بات یہ ہے کہ جو کچھ مسیح کے خدا بنانے کے لئے اور عقلی اعتراضوں سے بچنے کے لئے عیسائی لوگ جوڑ توڑ کر رہے ہیں اور مسیح کی انسانیت کو خدائی کے ساتھ ایسے طور سے پیوند دے رہے ہیں جس سے اُن کی غرض یہ ہے کہ کسی طرح عقلی اعتراضوں سے بچ جائیں اور پھر بھی وہ کسی طرح بچ بھی نہیں سکتے۔ اور آخر سرالہٰی میں داخل کر کے پیچھا چھوڑاتے ہیں بعینہٖ یہی نقشہ ان ہندوؤں کا ہے جو رام چندر اور کرشن کو البشر قرار دیتے ہیں۔ یعنی وہ بھی بعینہٖ وہی باتیں سناتے ہیں جو عیسائی سنایا کرتے ہیں۔ اور جب ہر یک پہلو سے عاجز آجاتے ہیں۔ تب کہتے ہیں کہ یہ ایک ایشر کا بھید ہے اور انہیں پر کھلتا ہے جو جوگ کماتے اور دنیا کو تیاگتے اور تپسیا کرتے ہیں۔ لیکن یہ لوگ نہیں جانتے کہ یہ بھید تو اسی وقت کھل گیا کہ جبکہ ان جھوٹے خداؤں نے اپنی خدائی کا کوئی ایسا نمونہ نہ دکھلایا جو انسان نے نہ دکھلایا ہو۔ سچ ہے کہ گرنتھوں میں یہ قصّے بھرے پڑے ہیں۔ کہ ان اوتاروں نے بڑی بڑی شکتی کے کام کئے ہیں۔ مردے جلائے اور پہاڑوں کو سر پر اُٹھا لیا۔ لیکن اگر ہم ان کہانیوں کو سچ مان لیں تو یہ لوگ خود قائل ہیں کہ بعض ایسے لوگوں نے بھی کرشمے دکھلائے جنہوں نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا۔ مثلاً ذرہ سوچ کر دیکھو کہ کیا مسیح کے کام موسیٰ کے کاموں سے بڑھ کر تھے۔ بلکہ مسیح کے نشانوں کو تو تالاب کے قصہ نے خاک میں ملا دیا گیا آپ لوگ

بلانے کا حکم ہوا کہ جب اپنا کام پورا کر چکے تھے یعنی اُس وقت کے بعد بلائے گئے جبکہ یہ آیت نازل ہو چکی کہ مسلمانوں کے لئے تعلیم کا مجموعہ کامل ہو گیا اور جو کچھ ضروریات دین میں نازل ہونا تھا وہ سب نازل ہو چکا۔ اور نہ صرف یہی بلکہ یہ بھی خبر دی گئی کہ خدا تعالیٰ کی تائیدیں بھی کمال کو پہنچ گئیں اور جوق در جوق

بقیہ حاشیہ معجزہ نما تالاب سے واقف نہیں جو اُسی زمانہ میں تھا اور کیا اسرائیل میں ایسے نبی نہیں گذرے جن کے بدن کے چھونے سے مُردے زندہ ہوئے۔ پھر خدائی کی شیخی مارنے کے لئے کون سی وجوہات ہیں جائے شرم !!!

اور اگرچہ ہندوؤں نے اپنے اوتاروں کی نسبت شکتی کے کام بہت لکھے ہیں۔ اور خواہ نخواہ اُن کو پرمیشر ثابت کرنا چاہا ہے مگر وہ قصّے بھی عیسائیوں کے بیہودہ قصّوں سے کچھ کم نہیں ہیں۔ اور اگر فرض بھی کریں کہ کچھ ان میں سے صحیح بھی ہے تب بھی عاجز انسان جو ضعف اور ناتوانی کا خمیر رکھتا ہے پرمیشر نہیں ہو سکتا اور احیاء حقیقی تو خود باطل اور الٰہی کتابوں کے مخالف ہاں اعجازی احیاء جس میں دنیا کی طرف رجوع کرنا اور دنیا میں پھر آباد ہونا نہیں ہوتا ممکن تو ہے مگر خدائی کی دلیل نہیں کیونکہ اس کے مدعی عام ہیں۔ مُردوں سے باتیں کرا دینے والے بہت گذرے ہیں مگر یہ طریق کشف قبور کے قسم میں سے ہے ہاں ہندوؤں کو عیسائیوں پر ایک فضیلت بیشک ہے۔ اُس کے بلا شبہ ہم قائل ہیں اور وہ یہ ہے کہ وہ بندوں کو خدا بنانے میں عیسائیوں کے پیشرو ہیں۔ اُنہیں کے ایجاد کی عیسائیوں نے بھی پیروی کی۔ ہم کسیطرح اس بات کو چھپا نہیں سکتے کہ جو کچھ عیسائیوں نے عقلی اعتراضوں سے بچنے کے لئے باتیں بنائی ہیں یہ باتیں انہوں نے اپنے دماغ سے نہیں نکالیں۔ بلکہ شاستروں اور گرنتھوں میں سے چرائی ہیں یہ تمام تودہ طوفان پہلے ہی سے برہمنوں نے کرشن اور رام چندر کے لئے بنا رکھا تھا جو عیسائیوں کے کام آیا۔ پس یہ خیال بدیہی البطلان ہے کہ شاید ہندوؤں نے عیسائیوں کی کتابوں میں سے

لوگ دین اسلام میں داخل ہو گئے اور یہ آیتیں بھی نازل ہو گئیں کہ خدا تعالیٰ نے ایمان اور تقویٰ کو اُن کے دلوں میں لکھ دیا اور فسق و فجور سے انہیں بیزار کر دیا اور پاک اور نیک اخلاق سے وہ متصف ہو گئے اور ایک بھاری تبدیلی اُنکے اخلاق

بقیہ حاشیہ: چھپایا ہے کیونکہ اُن کی یہ تحریریں اُس وقت کی ہیں کہ جب حضرت عیسٰے کا وجود بھی دنیا میں نہیں تھا پس ناچار ماننا پڑا کہ چور عیسائی ہی ہیں۔ چنانچہ پورٹ صاحب بھی اس بات کے قائل ہیں کہ "تثلیث افلاطون کے لئے ایک خود خیال کی پیروی کا نتیجہ ہے۔ مگر اصل یہ ہے کہ یونان اور ہند اپنے خیالات میں سراپا انتقال کے طرح تھے۔ قریب قیاس یہ ہے کہ یہ شرک کے ابخار کے ابنار پہلے ہند سے وید و دیا کی صورت میں یونان میں گئے۔ پھر وہاں سے نادان عیسائیوں نے چُرا چُرا کر انجیل پر حاشئے چڑھائے اور اپنا نامۂ اعمال درست کیا"۔

اب ہم اصل مضمون کی طرف توجہ کر کے لکھتے ہیں کہ جبکہ ان تمام فرقوں میں سے ایک فرقہ دوسرے فرقہ کا مکذّب ہے تو اس میں کچھ شک نہیں کہ ہر ایک اُن میں سے اپنے زمانہ میں دنیا کی اصلاح اس بات میں دیکھتا ہے کہ اس کے مخالف فرقہ کا اعتقاد نابود ہو اور اس بات کا قائل ہے کہ اُس کے مخالف کا عقیدہ نہایت خراب اور غیر صحیح ہے۔ پس جبکہ ہر یک فرقہ اپنے مخالف پر نظر ڈال کر اس خرابی کو مان رہا ہے تو اس صورت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہر یک فرقہ کو بالضرورت اقرار کرنا پڑا ہے کہ درحقیقت آپ کے ہاتھ سے دنیا کی عام اصلاح ظہور میں آئی۔ اور آپ درحقیقت **مصلح اعظم** تھے۔ ماسوا اس کے ہر یک فرقہ کے محقق اس بات کا اقرار رکھتے ہیں کہ درحقیقت اُن کے مذہب کے لوگ اس زمانہ میں سخت بدچلنی اور بدراہیوں میں مبتلا ہو گئے تھے چنانچہ اس زمانہ کی بدچلنی اور خراب حالت کے بارے میں پادری فنڈل **میزان الحق** میں اور محقق **پورٹ** اپنی کتاب میں اور پادری **جیمس کیمرن لیس** اپنے لکچر مطبوعہ مئی ۱۸۸۲ء میں اسی بات کے قائل ہیں۔ ماسوا اس کے حقیقی نیکی اور راہ راست کو پہچاننے والے جانتے ہیں کہ یہ تمام فرقے تاریکی کے گڑھے میں پڑے

اور چلن اور روح میں واقع ہو گئی۔ تب ان تمام باتوں کے بعد سورۃ النصر نازل ہوئی جس کا ماحصل یہی ہے کہ نبوت کے تمام اغراض پورے ہو گئے اور اسلام دلوں پر فتحیاب ہو گیا تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر اعلان دے دیا کہ یہ سورت میری وفات کی طرف اشارہ کرتی ہے بلکہ اس کے بعد

بقیہ حاشیہ: ہوئے ہیں اور ان خداؤں میں سے کوئی بھی واقعی اور سچا خدا نہیں جن لوگوں کو ان نادانوں نے خدا سمجھ رکھا ہے کیونکہ واقعی طور پر خدا ہونے کی یہ نشانی تھی کہ اس کی عظمت اور جلال اس کے واقعات زندگی سے ایسے طور سے ظاہر ہوتی ہو جیسا کہ آسمان اور زمین ایک سچے اور جلیل خدا کی عظمت ظاہر کر رہا ہے۔ مگر ان عاجز اور مصیبت زدہ خداؤں میں یہ نشانی قطعاً مفقود ہے کیا عقل سلیم اس بات کو قبول کرلے گی کہ ایک مرنے والا اور خود کمزور کسی پہلو سے خدا بھی ہے حاشا وکلا ہرگز نہیں بلکہ سچا خدا وہی خدا ہے جس کی غیر متبدل صفات قدیم سے آئینہ عالم میں نظر آ رہی ہیں اور جس کو ان باتوں کی حاجت نہیں کہ کوئی اس کا بیٹا ہو اور خودکشی کرے تب لوگوں کو اس سے نجات ملے بلکہ نجات کا سچا طریق قدیم سے ایک ہی ہے جو حدوث اور بناوٹ سے پاک ہے۔ جس پر چلنے والے حقیقی نجات کو اور اس کے ثمرات کو اسی دنیا میں پالیتے ہیں۔ اور اس کے سچے نمونے اپنے اندر دیکھتے ہیں یعنی وہ سچا طریق یہی ہے کہ الٰہی منادی کو قبول کر کے اس کے نقش قدم پر ایسا چلیں کہ اپنی نفسانی ہستی سے مر جائیں اور اسی طرح اپنے لئے آپ فدیہ دیں اور یہی طریق ہے جو خدا تعالیٰ نے ابتدا سے حق کے طالبوں کی فطرت میں رکھا ہے اور قدیم سے اور جب سے کہ انسان بنایا گیا ہے۔ اس روحانی قربانی کا سامان اس کو عطا کر دیا گیا ہے اور اس کی فطرت

نوٹ: یہ اقرار پنڈت دیانند نے بھی ستیارتھ پرکاش میں کیا ہے اور پنڈت جی قائل ہیں کہ آریہ ورت اس زمانہ میں بت پوجا میں غرق تھا۔ منہ

حج کیا اور اس کا نام حجۃ الوداع رکھا اور ہزارہا لوگوں کی حاضری میں ایک اونٹنی پر سوار ہو کر ایک لمبی تقریر کی اور کہا کہ سنو! اے خدا کے بندو! مجھے میرے رب کی طرف سے یہ حکم ملے تھے کہ تا میں یہ سب احکام تمہیں پہنچا دوں پس کیا تم گواہی دے سکتے ہو کہ یہ سب باتیں میں نے تمہیں پہنچا دیں۔ تب ساری قوم نے

بقیہ حاشیہ : اس سامان کو اپنے ساتھ لائی ہے اور اسی پر متنبہ کرنے کے لئے ظاہری قربانیاں بھی رکھی گئیں۔ یہ وہ واقعی حقیقت ہے جس کو کوتہ اندیش اور بدقسمت ہندوؤں اور عیسائیوں نے نہیں سمجھا اور روحانی حقیقتوں پر غور نہیں کی اور نہایت بد اور مکروہ اور تاریک خیالات میں پڑ گئے۔ میں نے کبھی کسی چیز پر ایسا تعجب نہیں کیا جیسا کہ ان لوگوں کی حالت پر تعجب کرتا ہوں کہ جو کامل اور زندہ اور حی قیوم خدا کو چھوڑ کر ایسے بیہودہ خیالات کے پیرو ہیں اور اُن پر ناز کرتے ہیں۔

پھر ہم اصل مطلب کی طرف عود کر کے کہتے ہیں کہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں ہمارے سیّد و مولیٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اصلاح نہایت وسیع اور عام اور مسلّم الطوائف ہے۔ اور یہ مرتبہ اصلاح کا کسی گذشتہ نبی کو نصیب نہیں ہوا۔ اور اگر کوئی عرب کی تاریخ کو آگے رکھ کر سوچے۔ تو اُسے معلوم ہوگا۔ کہ اس وقت کے بُت پرست اور عیسائی اور یہودی کیسے متعصب تھے اور کیونکر ان کی اصلاح کی صدہا سال سے نومیدی ہو چکی تھی۔ پھر نظر اٹھا کر دیکھئے کہ قرآنی تعلیم نے جو اُن کے بالکل مخالف تھی کیسی نمایاں تاثیریں دکھلائیں اور کیسی ہر یک بد اعتقاد اور ہر یک بدکاری کا استیصال کیا۔ شراب کو جو اُمّ الخبائث ہے دور کیا۔ قمار بازی کی رسم کو موقوف کیا۔ دختر کشی کا استیصال کیا۔ اور جو انسانی رحم اور عدل اور پاکیزگی کے برخلاف عادات تھیں سب کی اصلاح کی۔ ہاں مجرموں نے اپنے جرموں کی سزائیں بھی پائیں جن کے پانے کے وہ سزاوار تھے۔ پس اصلاح کا امر ایسا امر نہیں ہے جس سے کوئی انکار کر سکے۔

اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ اس زمانہ کے بعض حق پوش پادریوں نے جب دیکھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے اس قدر عام اصلاح ہوئی کہ اس کو کسی طرح چھپا نہیں سکتے اور اس کے مقابل پر جو مسیح نے اپنے

باآواز بلند تصدیق کی کہ ہم تک یہ سب پیغام پہنچائے گئے تب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ آسمان کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ اے خدا ان باتوں کا گواہ رہ اور پھر فرمایا کہ یہ تمام تبلیغ اس لئے مکرر کی گئی کہ شاید آئندہ سال میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں گا۔ اور پھر دوسری مرتبہ تم مجھے اس جگہ نہیں پاؤ گے۔ تب مدینہ میں جاکر دوسرے سال میں فوت ہو گئے اللّٰھم صلّ علیہ وبارک وسلّم درحقیقت یہ

بقیہ حاشیہ: وقت میں اصلاح کی وہ مسیح ہے تو ان پادریوں کو فکر پڑی کہ گمراہوں کو رُو باصلاح کرنا اور بدکاروں کو نیکی کے رنگ میں لانا جو اصل نشانی سچے نبی کی ہے۔ وہ جیسا کہ اکمل اور اتم طور پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ظہور میں آئی۔ مسیح کی اصلاح میں کوئی بھی اس کی نسبت نہیں پائی جاتی تو انہوں نے اپنے دجالی فرقوں کے ساتھ آفتاب پر خاک ڈالنا چاہا تو ناچار جیسا کہ پادری جمیس کیرن لیس نے اپنے لکچر میں شائع کیا ہے۔ جاہلوں کو اس طرح پر دھوکا دیا کہ وہ لوگ پہلے سے صلاحیت پذیر ہونے کے لئے مستعد تھے۔ اور بت پرستی اور شرک اُن کی نگاہوں میں حقیر ٹھہر چکا تھا لیکن اگر ایسی رائے ظاہر کرنے والے اپنے اس خیال میں سچے ہیں تو انہیں لازم ہے کہ اپنے اس خیال کی تائید میں ویسا ہی ثبوت دیں جیسا کہ قرآن کریم اُن کے مخالف ثبوت دیتا ہے یعنی فرماتا ہے کہ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا[1] اور ان سب کو مُردے قرار دے کر اُن کا زندہ کیا جانا محض اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور جابجا کہتا ہے کہ وہ ضلالت کی زنجیروں میں پھنسے ہوئے تھے ہم نے ہی اُن کو رہائی دی وہ اندھے تھے۔ ہم نے ہی اُن کو سوجاکھا کیا۔ وہ تاریکی میں تھے ہم نے ہی نور بخشا اور یہ باتیں پوشیدہ نہیں تھیں بلکہ قرآن اُن سب کے کانوں تک پہنچا اور انہوں نے ان بیانات کا انکار نہ کیا اور کبھی یہ ظاہر نہ کیا کہ ہم تو پہلے ہی مستعد تھے قرآن کا ہم پر کچھ احسان نہیں پس اگر ہمارے مخالفوں کے پاس کوئی مخالفانہ تحریر اپنے بیان کی تائید میں ایسی موجود قرآن کریم کے ہم پلہ تیرہ سو برس سے چلی آتی ہے تو وہ پیش کر دیں ورنہ ایسی باتیں صرف عیسائی سرشت کا افترا ہے اس سے زیادہ نہیں یہ تو جمیس کا قول ہے کہ جو کتاب مذاہب عالم میں شائع ہوئی ہے۔ مگر

[1] الحدید: ۱۸

تمام اشارات قرآن سے ہی مستنبط ہوتے ہیں جس کی تصدیق اسلام کی متفق علیہ تاریخ سے بہ تفصیل تمام ہوتی ہے۔

بقیہ حاشیہ: بعض عیسائی پادریوں نے اس سے بھی بڑھ کر حقیقت فہمی کا جوہر دکھلایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ درحقیقت اصلاح کچھ چیز ہی نہیں اور نہ کبھی کسی کی اصلاح ہوئی۔ توریت کی تعلیم اصلاح کے لئے نہیں تھی۔ بلکہ اس ارادہ کے لئے کہ گنہگار انسان خدا کے احکام پر چل نہیں سکتا اور انجیل کی تعلیم بھی اسی مدعا سے تھی۔ ورنہ طمانچہ کھا کر دوسری گال بھی پھیر دینا نہ کبھی ہوا نہ ہوگا اور کہتے ہیں کہ کیا مسیح کوئی جدید تعلیم لے کر آیا تھا۔ اور پھر آپ ہی جواب دیتے ہیں کہ انجیل کی تعلیم تو پہلے ہی سے توریت میں موجود تھی۔ اور بائبل کے متفرق مقامات جمع کرنے سے انجیل بن جاتی ہے۔ پھر مسیح کیوں آیا تھا! اس کا جواب دیتے ہیں کہ صرف خودکشی کے لئے۔ مگر تعجب کہ خودکشی سے بھی مسیح نے جی چرایا اور ایلی ایلی لما سبقتنی منہ پر لایا۔ پھر یہ بھی تعجب کا مقام ہے کہ زید کی خودکشی سے بکر کو کیا حاصل ہوگا۔ اگر کسی کا کوئی عزیز اس کے گھر میں بیمار ہو۔ اور وہ اس کے غم سے چھری مار لے تو کیا وہ عزیز اس نابکار حرکت سے اچھا ہو جائے گا۔ یا اگر مثلاً کسی کے بیٹے کو درد قولنج ہے۔ تو اس کا باپ اس کے غم میں اپنا سر تبر سے پھوڑ لے تو کیا اس احمقانہ حرکت سے بیٹا اچھا ہو جائے گا۔

اور یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ زید کوئی گناہ کرے اور بکر کو اس کے عوض سولی پر کھینچا جائے یہ عدل ہے یا رحم کوئی عیسائی ہم کو تبلادے ہم اس کے اقراری ہیں کہ خدا کے بندوں کی بھلائی کے لئے جان دینا یا جان دینے کے لئے مستعد ہونا ایک اعلیٰ اخلاقی حالت ہے لیکن سخت حماقت ہوگی کہ خودکشی کی بے جا حرکت کو اس مد میں داخل کیا جائے۔ ایسی خودکشی تو سخت حرام ہے اور نادانوں اور بے صبروں کا کام ہے ہاں جاں فشانی کا پسندیدہ طریق اس کامل مصلح کی لائف میں چمک رہا ہے جس کا نام محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ منہ

اب کیا دنیا میں کوئی عیسائی یا یہودی یا آریہ اپنے کسی ایسے مصلح کو بطور نظیر پیش کر سکتا ہے جس کا آنا ایک عام اور شدید ضرورت پر مبنی ہو اور جانا اس غرض کی تکمیل کے بعد ہو اور ان مخالفوں کو اپنی ناپاک حالت اور بدعملیوں کا خود اقرار ہو جن کی طرف وہ رسول بھیجا گیا ہو۔ میں جانتا ہوں کہ یہ ثبوت بجز اسلام کے کسی کے پاس موجود نہیں۔ ظاہر ہے کہ **حضرت موسیٰ** صرف فرعون کی سرکوبی کے لئے اور اپنی قوم کو چھڑانے کے لئے اور نیز راہ راست دکھانے کے لئے آئے تھے سارے جہان کے فساد یا عدم فساد کی اُن کو کچھ غرض نہیں تھی اور یہ تو سچ ہے کہ فرعون کے ہاتھ سے انہوں نے اپنی قوم کو چھوڑا دیا مگر شیطان کے ہاتھ سے چھوڑا نہ سکے اور دمدہ کے ملک تک اُن کو پہنچا نہ سکے اور ان کے ہاتھ سے بنی اسرائیل کو تزکیہ نفس نصیب نہیں ہوا اور بار بار نافرمانیاں کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت موسیٰ فوت ہو گئے اور ان کا وہی حال تھا اور حضرت مسیح کے حواریوں کی حالت خود انجیل سے ظاہر ہے حاجت تصریح نہیں اور یہ بات کہ یہودی جن کے لئے حضرت مسیح نبی ہو کر آئے تھے کس قدر اُن کی زندگی میں ہدایت پذیر ہو گئے تھے۔ یہ بھی ایک ایسا امر ہے کہ کسی پر پوشیدہ نہیں بلکہ اگر حضرت مسیح کی نبوت کو اس معیار سے جانچا جائے تو نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان کی نبوت اس معیار کی رو سے کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتی۔* کیونکہ اول نبی کے لئے ضروری ہے کہ اُس وقت آوے کہ جب فی الواقعہ اس امت

* نوٹ: عیسائی کفارہ پر بہت ناز رکھتے ہیں مگر عیسائی تاریخ کے واقف اس سے بے خبر نہیں کہ مسیح کی خودکشی سے پہلے جو عیسائی صرف تھوڑے دن کے زمانہ میں ہی تھوڑے بہت عیسائی نیک چلن تھے مگر خودکشی کے بعد تو عیسائیوں کی بدکاریوں کا بند ٹوٹ گیا۔ کیا یہ کفارہ کی نسل جو اب یورپ میں موجود ہے اپنی چال چلن میں ان لوگوں سے مشابہ ہے جو کفارہ سے پہلے مسیح کے ساتھ پھرتی تھی۔ منہ

کی حالت دینداری تباہ ہوگئی ہو جس کی طرف وہ بھیجا گیا ہے۔ لیکن حضرت مسیح یہود کو ایسا الزام کوئی بھی نہیں دے سکے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ انہوں نے اپنے اعتقاد بدل ڈالے ہیں یا وہ چور اور زناکار اور قمار باز وغیرہ ہو گئے ہیں یا انہوں نے توریت کو چھوڑ کر کسی اور کتاب کی پیروی اختیار کر لی ہے بلکہ خود گواہی دی کہ فقیہ اور فریسی موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں اور نہ یہود نے اپنے بدچلن اور بدکار ہونے کا اقرار کیا۔ پھر دوسرے سچے نبی کی سچائی پر بھاری دلیل ہوتی ہے کہ وہ کامل اصلاح کا ایک بھاری نمونہ دکھلا دے پس جب ہم اس نمونہ کو حضرت مسیح کی زندگی میں غور کرتے ہیں اور دیکھنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے کون سی اصلاح کی اور کتنے لاکھ یا ہزار آدمی نے اُن کے ہاتھ پر توبہ کی تو یہ خانہ بھی خالی پڑا ہوا نظر آتا ہے۔ ہاں بارہ حواری ہیں مگر جب ان کا اعمال نامہ دیکھتے ہیں تو دل کانپ اٹھتا ہے اور افسوس آتا ہے کہ یہ لوگ کیسے تھے کہ اس قدر اخلاص کا دعویٰ کر کے پھر ایسی ناپاکی دکھلا دیں جس کی نظیر دنیا میں نہیں۔ کیا تیس روپے لے کر ایک سچے نبی اور پیارے رہنما کو خونیوں کے حوالہ کرنا حواری کہلانے کی یہی حقیقت تھی کیا لازم تھا کہ پطرس جیسا حواریوں کا سردار حضرت مسیح کے سامنے کھڑے ہو کر اُن پر لعنت بھیجے اور چند روزہ زندگی کے لئے اپنے مُقتدا کو اُس کے منہ پر گالیاں دے کیا مناسب تھا کہ حضرت مسیح کے پکڑے جانے کے وقت میں تمام حواری اپنا اپنا راہ لیں اور ایک دم کے لئے بھی صبر نہ کریں جن کا پیارا نبی قتل کرنے کے لئے پکڑا جائے ایسے لوگوں کے صدق و صفا کے یہی نشان ہوا کرتے ہیں جو حواریوں نے اُس وقت دکھلائے اُن کے گذر جانے کے بعد مخلوق پرستوں نے باتیں بنائیں اور آسمان پر چڑھا دیا مگر جو کچھ انہوں نے اپنی زندگی میں اپنا ایمان دکھلایا وہ باتیں تو اب تک انجیلوں میں موجود ہیں غرض وہ دلیل جو نبوت اور

رسالت کے مفہوم سے ایک سچے نبی کے لئے قائم ہوتی ہے وہ حضرت مسیح کے لئے قائم نہیں ہو سکی۔ اگر قرآن اِن کی نبوت کا بیان نہ کرتا تو ہمارے لئے کوئی بھی راہ کھلی نہیں تھی کہ ہم ان کو سچے نبیوں کے سلسلہ میں داخل کر سکیں کیا جس کی یہ تعلیم ہو کہ میں ہی خدا ہوں اور خدا کا بیٹا اور بندگی اور فرمانبرداری سے آزاد اور جس کی عقل اور معرفت صرف اس قدر ہو کہ میری خودکشی سے لوگ گناہ سے نجات پا جائیں گے۔ ایسے آدمی کو ایک دم کے لئے بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ دانا اور راہ راست پر ہے مگر الحمد للہ کہ قرآنی تعلیم نے ہم پر یہ کھول دیا کہ **ابن مریم** پر یہ سب جھوٹے الزام ہیں۔ انجیل میں **تثلیث** کا نام و نشان نہیں۔ ایک عام محاورہ لفظ ابن اللہ کا جو پہلی کتابوں میں آدم سے لے کر اخیر تک ہزارہا لوگوں پر بولا گیا تھا وہی عام لفظ حضرت مسیح کے حق میں انجیل میں آگیا۔ پھر بات کا بتنگڑ بنایا گیا۔ یہاں تک کہ حضرت مسیح اسی لفظ کی بنیاد پر خدا ہی بن گئے۔ حالانکہ نہ کبھی مسیح نے خدائی کا دعویٰ کیا اور نہ کبھی خودکشی کی خواہش ظاہر کی جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ایسا کرتا تو راستبازوں کے دفتر سے اُس کا نام کاٹا جاتا۔ یہ بھی مشکل سے یقین ہوتا ہے کہ ایسے شرمناک جھوٹ کی بنیاد حواریوں کے خیالات کی بد گشتگی نے پیدا کی ہو کیونکہ گو اُن کی نسبت جیسا کہ انجیل میں بیان کیا گیا ہے یہ صحیح بھی ہو کہ وہ موٹی عقل کے آدمی اور جلد تر غلطی کھانے والے تھے لیکن ہم اس بات کو قبول نہیں کر سکتے کہ وہ ایک نبی کے صحبت یافتہ ہو کر ایسے بیہودہ خیالات کی جلس کو اپنی ہتھیلی پر لئے پھرتے تھے۔ مگر انجیل کے حواشی پر نظر غور کرنے سے اصل حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ ساری چالبازی حضرت پولس کی ہے جس نے پولٹیکل چالبازوں کی طرح عمیق مکروں سے کام لیا ہے۔

غرض جس ابن مریم کی قرآن نے ہم کو خبر دی ہے وہ اسی ازلی ابدی ہدایت

کا پابند تھا جو ابتداء سے بنی آدم کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ لہٰذا اُس کی نبوت کے لئے قرآنی ثبوت کافی ہے گو انجیل کی رو سے کتنے ہی شکوک و شبہات اُس کی نبوت کے بارے میں پیدا ہوں۔ وَالسَّلام علٰی من اتبع الھدٰی

راقم خاکسار

غلام احمد

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ

جو شخص مظلوم ہونے کے بعد انتقام لے اس پر کوئی الزام نہیں

نمبر ۲

بابت ماہ ستمبر اکتوبر نومبر دسمبر ۱۸۹۵ء و جنوری و فروری و مارچ و اپریل ۱۸۹۶ء

خاکسار محمد سراج الحق جمالی نعمانی

مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں باہتمام حکیم فضل دین صاحب
مالک مطبع کے چھپا

۷۰۰ جلد چھپی   قیمت فی جلد ۳ر

ناظرین کے لئے ضروری اطلاع

ہم اس بات کو افسوس سے ظاہر کرتے ہیں کہ ایک ایسے شخص کے مقابل پر یہ نمبر نور القرآن کا جاری ہوا ہے جس نے بجائے تہذیبانہ کلام کے ہمارے سید و مولا نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت گالیوں سے کام لیا ہے اور اپنی ذاتی خباثت سے اس امام الطیبین و سید المطہرین پر سراسر افترا سے ایسی تہمتیں لگائی ہیں کہ ایک پاک دل انسان کا ان کے سننے سے بدن کانپ جاتا ہے۔ لہذا محض ایسے یاوہ گوؤں کے علاج کے لئے جواب ترکی بہ ترکی دینا پڑا ہم ناظرین پر ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام پر نہایت نیک عقیدہ ہے اور ہم دل سے یقین رکھتے ہیں کہ وہ خدا تعالےٰ کے سچے نبی اور اس کے پیارے تھے اور ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ وہ جیسا کہ قرآن شریف ہمیں خبر دیتا ہے اپنی نجات کے لئے ہمارے سید و مولےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر دل و جان سے ایمان لائے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے صدہا خادموں میں سے ایک مخلص خادم وہ بھی تھے پس ہم ان کی حیثیت کے موافق ہر طرح ان کا ادب ملحوظ رکھتے ہیں۔ لیکن عیسائیوں نے جو ایک ایسا یسوع پیش کیا ہے جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور بجز اپنے نفس کے تمام اولین آخرین کو لعنتی سمجھتا تھا یعنی اُن بدکاریوں کا مرتکب خیال کرتا تھا جن کی سزا لعنت ہے ایسے شخص کو ہم بھی رحمت الٰہی سے بے نصیب سمجھتے ہیں قرآن نے ہمیں اس گستاخ اور بدزبان یسوع کی خبر نہیں دی اس شخص کی چال چلن پر ہمیں نہایت حیرت ہے جس نے خدا پر مرنا جائز رکھا اور آپ خدائی کا دعویٰ کیا۔ اور ایسے

پاکوں کو جو ہزار ہا درجہ اس سے بہتر تھے گالیاں دیں سوہم نے اپنی کلام میں ہر جگہ عیسائیوں کا فرضی یسوع مراد لیا ہے اور خدا تعالیٰ کا ایک عاجز بندہ عیسیٰ ابن مریم جو نبی تھا جس کا ذکر قرآن میں ہے وہ ہمارے درشت مخاطبات میں ہرگز مراد نہیں اور یہ طریق ہم نے برابر چالیس برس تک پادری صاحبوں کی گالیاں سن کر اختیار کیا ہے۔ بعض نادان مولوی جن کو اندھے اور نابینا کہنا چاہیئے عیسائیوں کو معذور رکھتے ہیں کہ وہ بیچارے کچھ بھی منہ سے نہیں بولتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ بے ادبی نہیں کرتے لیکن یاد رہے کہ درحقیقت پادری صاحبان تحقیر اور توہین اور گالیاں دینے میں اول نمبر پر ہیں۔ ہمارے پاس ایسے پادریوں کی کتابوں کا ایک ذخیرہ ہے جنہوں نے اپنی عبارت کو صدہا گالیوں سے بھر دیا ہے جس مولوی کی خواہش ہو وہ آکر دیکھ لیوے۔ اور یاد رہے کہ آئندہ جو پادری صاحب گالی دینے کے طریق کو چھوڑ کر ادب سے کلام کریں گے ہم بھی ان کے ساتھ ادب سے پیش آویں گے اب تو وہ اپنے یسوع پر آپ حملہ کر رہے ہیں کہ کسی طرح سب و شتم سے باز ہی نہیں آتے ہم سنتے سنتے تھک گئے اگر کوئی کسی کے باپ کو گالی دے تو کیا اس مظلوم کا حق نہیں ہے کہ اس کے باپ کو بھی گالی دے اور ہم نے تو جو کچھ کہا واقعی کہا۔ وانما الاعمال بالنیات۔

خاکسار غلام احمد

۲۰ دسمبر ۱۸۹۵ء

رسالہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

امابعد واضح ہو کہ چونکہ پادری فتح مسیح متعین فتح گڑھ ضلع گورداسپور نے ہماری طرف ایک خط نہایت گندہ بھیجا اور اس میں ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر زنا کی تہمت لگائی اور سوا اس کے اور بہت سے الفاظ بطریق سب و شتم استعمال کئے۔ اس لئے قرین مصلحت معلوم ہوا۔ کہ اس کے خط کا جواب شائع کر دیا جاوے۔ لہٰذا یہ رسالہ لکھا گیا۔ اُمید کہ پادری صاحبان اس کو غور سے پڑھیں اور اس کے الفاظ سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں کیونکہ یہ تمام پیرایہ میاں فتح مسیح کے سخت الفاظ اور نہایت ناپاک گالیوں کا نتیجہ ہے۔ تاہم ہمیں حضرت مسیح علیہ السلام کی شان مقدس کا بہرحال لحاظ ہے۔ اور صرف فتح مسیح کے سخت الفاظ کے عوض ایک فرضی مسیح کا بالمقابل ذکر کیا گیا ہے اور وہ بھی سخت مجبوری سے۔ کیونکہ اس نادان نے بہت ہی شدت سے گالیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نکالی ہیں اور ہمارا دل دکھایا ہے اور اب ہم اس کے خط کا جواب ذیل میں لکھتے ہیں۔ وھو ھذا

مشفقی پادری صاحب! بعد ما وجب اس وقت مجھے بہت کم فرصت ہے۔ مگر میں نے جب آپ کا وہ خط دیکھا۔ جو آپ نے اخویم مولوی عبدالکریم صاحب کے نام بھیجا تھا۔ مناسب سمجھا کہ اپنے اس رسالہ کی جو زیر تالیف ہے خود ہی آپ کو بشارت دوں تا آپ کو زیادہ تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہ رہے۔ یاد رکھیں کہ رسالہ ایسا ہوگا کہ آپ بہت ہی خوش ہو جائیں گے۔ آپ کی ان مہربانیوں کی وجہ سے جواب کی دفعہ آپ کے خط میں بہت ہی پائی جاتی ہیں۔ میں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے۔ کہ اس رسالہ کی وجہ اشاعت صرف آپ ہی کی درخواست قرار دی جاوے۔ کیونکہ جس مضمون کے لکھنے کے لئے اب ہم طیار ہیں۔ اگر آپ کا یہ خط نہ آیا ہوتا۔ جس میں جناب مُقدس نبوی اور حضرت عائشہ صدیقہ اور سودہ کی نسبت آپ نے بدزبانی کی ہے۔ تو شاید وہ مضمون دیر کے بعد نکلتا یہ آپ کی بڑی مہربانی ہوئی۔ کہ آپ ہی محرک ہو گئے۔ امید ہے کہ دوسرے پادری صاحبان آپ پر بہت ہی خوش ہوں گے اور کچھ تعجب نہیں کہ ہمارا رسالہ نکلنے کے بعد آپ کی کچھ ترقی بھی ہو جاوے۔ پادری صاحب ہمیں آپ کی حالت پر رونا آتا ہے کہ آپ زبان عربی سے تو بے نصیب تھے ہی۔ مگر وہ علوم جو دینیات سے کچھ تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے طبعی اور طبابت ان سے بھی آپ بے بہرہ ہی ثابت ہوئے۔ آپ نے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کر کے نو برس کی رسم شادی کا ذکر لکھا ہے۔ اول تو نو برس کا ذکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ثابت نہیں۔ اور نہ اس میں کوئی وحی ہوئی۔ اور نہ اخبار متواترہ سے ثابت ہوا کہ ضرور نو برس ہی تھے۔ صرف ایک راوی سے منقول ہے۔ عرب کے لوگ تقویم پتر سے نہیں رکھا کرتے تھے کیونکہ اُمّی تھے اور دو تین برس کی

کمی بیشی ان کی حالت پر نظر کر کے ایک عام بات ہے۔ جیسے کہ ہمارے ملک میں بھی اکثر ناخواندہ لوگ دو چار برس کے فرق کو اچھی طرح محفوظ نہیں رکھ سکتے۔ پھر اگر فرض کے طور پر تسلیم بھی کرلیں کہ فی الواقع دن دن کا حساب کر کے نو برس ہی تھے لیکن پھر بھی کوئی عقلمند اعتراض نہیں کرے گا۔ مگر احمق کا کوئی علاج نہیں۔ ہم آپ کو اپنے رسالہ میں ثابت کر کے دکھادیں گے کہ حال کے محقق ڈاکٹروں کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ نو برس تک بھی لڑکیاں بالغ ہو سکتی ہیں بلکہ سات برس تک بھی اولاد ہو سکتی ہے۔ اور بڑے بڑے مشاہدات سے ڈاکٹروں نے اس کو ثابت کیا ہے۔ اور خود صدہا لوگوں کی یہ بات چشم دید ہے کہ اسی ملک میں آٹھ آٹھ نو نو برس کی لڑکیوں کے یہاں اولاد موجود ہے۔ مگر آپ پر تو کچھ بھی افسوس نہیں اور نہ کرنا چاہیئے کیونکہ آپ صرف متعصب ہی نہیں بلکہ اول درجہ کے احمق بھی ہیں۔ آپ کو اب تک اتنی بھی خبر نہیں کہ گورنمنٹ کے قانون عوام کی درخواست کے موافق ان کی رسم اور سوسائٹی کی عام وضع کی بنا پر تیار ہوتے ہیں۔ ان میں فلاسفروں کی طرز پر تحقیقات نہیں ہوتی۔ اور جو بار بار آپ گورنمنٹ انگریزی کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ بات بالکل سچ ہے کہ ہم گورنمنٹ انگریزی کے شکر گذار ہیں اور اس کے خیر خواہ ہیں اور جب تک زندہ ہیں رہیں گے۔ مگر تاہم ہم اس کو خطا سے معصوم نہیں سمجھتے اور نہ اس کے قوانین کو حکیمانہ تحقیقاتوں پر مبنی سمجھتے ہیں۔ بلکہ قوانین بنانے کا اصول رعایا کی کثرت رائے ہے۔ گورنمنٹ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوتی تا وہ اپنے قوانین میں غلطی نہ کرے۔ اگر ایسے ہی قوانین محفوظ ہوتے تو ہمیشہ نئے نئے قانون کیوں بنتے رہتے۔ انگلستان میں لڑکیوں کے بلوغ کا زمانہ (۱۸) برس قرار دیا ہے اور گرم ملکوں میں تو لڑکیاں بہت جلد بالغ ہو جاتی ہیں۔ آپ اگر گورنمنٹ کے قوانین کو کالوحی من السماء سمجھتے ہیں کہ

ان میں امکان غلطی نہیں۔ تو ہمیں بواپسی ڈاک اطلاع دیں تا انجیل اور قانون کا تھوڑا سا مقابلہ کر کے آپ کی کچھ خدمت کی جائے۔ بغرض گورنمنٹ نے اب تک کوئی اشتہار نہیں دیا کہ ہمارے قوانین بھی توریت اور انجیل کی طرح خطا اور غلطی سے خالی ہیں۔ اگر آپ کو کوئی اشتہار پہنچا ہو۔ تو اس کی ایک نقل ہمیں بھی بھیج دیں پھر اگر گورنمنٹ کے قوانین خدا کی کتابوں کی طرح خطا سے خالی نہیں تو ان کا ذکر کرنا یا تو حمق کی وجہ سے ہے یا تعصب کے سبب سے مگر آپ معذور ہیں۔ اگر گورنمنٹ کو اپنے قانون پر اعتماد تھا تو کیوں اُن ڈاکٹروں کو سزا نہیں دی جنہوں نے حال میں یورپ میں بڑی تحقیقات سے نو برس بلکہ سات برس کو بھی بعض عورتوں کے بلوغ کا زمانہ قرار دے دیا ہے۔ اور نو برس کی عمر کے متعلق آپ اعتراض کر کے پھر توریت یا انجیل کا کوئی حوالہ نہ دے سکے صرف گورنمنٹ کے قانون کا ذکر کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا توریت اور انجیل پر ایمان نہیں رہا۔ ورنہ نو برس کی حرمت یا تو توریت سے ثابت کرتے۔ یا انجیل سے ثابت کرنی چاہیئے تھی۔

پادری صاحب یہی تو دجل ہے۔ کہ الہامی کتب کے مسائل میں آپ نے گورنمنٹ کے قانون کو پیش کر دیا۔ اگر آپ کے نزدیک گورنمنٹ کے قانون کی تمام باتیں خطا سے خالی ہیں اور الہامی کتابوں کی طرح بلکہ ان سے افضل ہیں۔ تو میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ جن نبیوں نے خلاف قانون انگریزی کئی لاکھ شیر خوار بچے قتل کئے۔ اگر وہ اس وقت ہوتے تو گورنمنٹ اُن سے کیا معاملہ کرتی۔ اگر وہ لوگ گورنمنٹ کے سامنے چالان ہو کر آتے جنہوں نے بیگانی کھیتوں کے خوشے توڑ کر کھا لئے تھے۔ تو گورنمنٹ اون کو اور ان کے اجازت دینے والے کو کیا کیا سزا دیتی۔ پھر میں پوچھتا ہوں کہ وہ شخص جو انجیر کا پھل کھانے دوڑا تھا۔ اور انجیل سے ثابت ہے کہ وہ انجیر کا درخت اس کی

ملکیت نہ تھا بلکہ غیر کی ملک تھا۔ اگر وہ شخص گورنمنٹ کے سامنے یہ حرکت کرتا تو گورنمنٹ اس کو کیا سزا دیتی۔ انجیل سے یہ بھی ثابت ہے کہ بہت سے سؤر جو بیگانہ مال تھے اور جن کی تعداد بقول پادری کلارک دو ہزار تھے۔ مسیح نے تلف کئے۔ اب آپ ہی بتلائیں کہ تعزیرات کی رو سے اس کی سزا کیا ہے۔ بالفعل اسی قدر لکھنا کافی ہے۔ جواب ضرور لکھیں تا اور بہت سے سوال کئے جائیں۔

پادری صاحب! آپ کا یہ خیال کہ نو برس کی لڑکی سے جماع کرنا زنا کے حکم میں ہے سراسر غلط ہے۔ آپ کی ایمانداری یہ تھی کہ آپ انجیل سے اس کو ثابت کرتے۔ انجیل نے آپ کو دھکے دیئے اور وہاں ہاتھ نہ پڑا تو گورنمنٹ کے پیروں پر آپڑے۔ یاد رکھیں کہ یہ گالیاں محض شیطانی تعصب سے ہیں۔ **جناب مقدس نبوی** کی نسبت فسق و فجور کی تہمت لگانا یہ افترا شیطانوں کا کام ہے۔ ان دو مقدس نبیوں پر یعنی **آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم** اور **حضرت مسیح علیہ السلام** پر بعض بد ذات اور خبیث لوگوں نے سخت افترا کئے ہیں۔ چنانچہ اُن پلیدوں نے لعنۃ اللہ علیہم پہلے نبی کو نعوذ باللہ زانی قرار دیا۔ جیسا کہ آپ نے اور دوسرے کو ولد الزنا کہا جیسا کہ **پلید طبع یہودیوں** نے۔ آپ کو چاہیئے کہ ایسے اعتراضوں سے پرہیز کریں۔

اور یہ اعتراض کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی بیوی سودہ کو پیرانہ سالی کے سبب سے طلاق دینے کے لئے مستعد ہو گئے تھے۔ سراسر غلط اور خلاف واقعہ ہے اور جن لوگوں نے ایسی روایتیں کی ہیں وہ اس بات کا ثبوت نہیں دے سکے کہ کس شخص کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ارادہ ظاہر کیا۔ پس اصل حقیقت جیسا کہ کتب معتبرہ احادیث میں مذکور ہے یہ ہے کہ خود سودہ نے ہی اپنی پیرانہ سالی کی وجہ سے دل میں یہ خوف کیا کہ اب

میری حالت قابل رغبت نہیں رہی۔ اندیشناک ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بباعث طبعی کراہت کے جو منشاء بشریت کو لازم ہے مجھ کو طلاق دے دیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی امر کراہت کا بھی اس نے اپنے دل میں سمجھ لیا ہو۔ اور اس سے طلاق کا اندیشہ دل میں جم گیا ہو۔ کیونکہ عورتوں کے مزاج میں ایسے معاملات میں وہم اور وسوسہ بہت ہوا کرتا ہے۔ اس لئے اس نے خود بخود ہی عرض کر دیا کہ میں اس کے سوا اور کچھ نہیں چاہتی کہ آپ کی ازواج میں میرا حشر ہو۔ چنانچہ نیل الاوطار کے صفحہ ۱۴۰ میں یہ حدیث ہے: قال ان سودۃ بنت زمعۃ حین اسنّت وخافت ان یفارقها رسول اللہ قالت یا رسول اللہ وھبت یومی لعائشۃ فقبل ذالک منها ورواہ ایضاً سعد وسعید ابن منصور والترمذی وعبد الرزاق قال الحافظ فی الفتح فتواردت ھذہ الروایات علی انها خشیت الطلاق۔ یعنی سودہ بنت زمعہ کو جب اپنی پیرانہ سالی کی وجہ سے اس بات کا خوف ہوا کہ اب شاید میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے جدا ہو جاؤں گی۔ تو اس نے کہا یا رسول اللہ میں نے اپنی نوبت عائشہ کو بخش دی۔ آپ نے اس کی یہ درخواست قبول فرمالی۔ ابن سعد اور سعید ابن منصور اور ترمذی اور عبد الرزاق نے بھی یہی روایت کی ہے اور فتح الباری میں لکھا ہے کہ اسی پر روایتوں کا توارد ہے کہ سودہ کو آپ ہی طلاق کا اندیشہ ہوا تھا۔ اب اس حدیث سے ظاہر ہے کہ دراصل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی ارادہ ظاہر نہیں ہوا بلکہ سودہ نے اپنی پیرانہ سالی کی حالت پر نظر کر کے خود ہی اپنے دل میں یہ خیال قائم کر لیا تھا۔ اور اگر ان روایات کے توارد اور تظاہر کو نظر انداز کر کے فرض بھی کر لیں کہ آنحضرتؐ نے طبعی کراہت کے باعث سودہ کو پیرانہ سالی کی حالت میں پا کر طلاق کا ارادہ کیا تھا تو اس میں

بھی کوئی برائی نہیں۔ اور نہ یہ امر کسی اخلاقی حالت کے خلاف ہے۔ کیونکہ جس امر پر عورت مرد کے تعلقات مخالطت موقوف ہیں۔ اگر اس میں کسی نوع سے کوئی ایسی روک پیدا ہو جائے۔ کہ اس کے سبب سے مرد اُس تعلق کے حقوق کی بجاآوری پر قادر نہ ہو سکے تو ایسی حالت میں اگر وہ اصول تقویٰ کے لحاظ سے کوئی کارروائی کرے تو عند العقل کچھ جائے اعتراض نہیں۔

پادری صاحب آپ کا یہ سوال کہ اگر آج ایسا شخص جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے گورنمنٹ انگریزی کے زمانہ میں ہوتا۔ تو گورنمنٹ اُس سے کیا کرتی۔ آپ کو واضح ہو۔ کہ اگر وہ سید الکونین اس گورنمنٹ کے زمانہ میں ہوتے۔ تو یہ سعادت مند گورنمنٹ **اُن کی کفش برداری اپنا فخر سمجھتی جیسا کہ قیصر روم صرف تصویر دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔** آپ کی یہ نالیاقتی اور ناسعادتی ہے کہ اس گورنمنٹ پر ایسی بدظنی رکھتے ہیں کہ گویا وہ خدا کے مقدسوں کی دشمن ہے۔ یہ گورنمنٹ اس زمانہ میں ادنیٰ ادنیٰ امیر مسلمانوں کی عزت کرتی ہے۔ دیکھو نصر اللہ خاں جو اس جناب کے غلاموں جیسا بھی درجہ نہیں رکھتا۔ ہماری قیصرہ ہند دام اقبالہا نے کیسی اس کی عزت کی ہے۔ پھر وہ عالیجناب مقدس ذاتؐ جو اس دنیا میں بھی وہ مرتبہ رکھتا تھا کہ **بادشاہ اُس کے قدموں پر گرتے تھے۔** اگر وہ اس وقت میں ہوتا۔ تو بے شک یہ گورنمنٹ اس کی جناب سے خادمانہ اور متواضعانہ طور پر پیش آتی۔ الٰہی گورنمنٹ کے آگے انسانی گورنمنٹوں کو بجز عجز و نیاز کے کچھ بن نہیں پڑتا۔ کیا آپ کو خبر نہیں کہ قیصر رُوم جو آنجنابؐ کے وقت میں عیسائی بادشاہ

اور اس گورنمنٹ سے اقبال میں کچھ کم نہ تھا وہ کہتا ہے۔ کہ اگر مجھے یہ سعادت حاصل ہو سکتی کہ میں اس عظیم الشان نبی کی صحبت میں رہ سکتا۔ تو میں آپ کے پاؤں دھویا کرتا۔ سو جو قیصر روم نے کہا یقیناً یہ سعادتمند گورنمنٹ بھی وہی بات کہتی۔ بلکہ اس سے بڑھ کر کہتی۔ اگر حضرت مسیح کی نسبت اُس وقت کے کسی چھوٹے سے جاگیردار نے بھی یہ کلمہ کہا ہو جو قیصر روم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہا جو آج تک نہایت صحیح تاریخ اور احادیث صحیحہ میں لکھا ہوا موجود ہے۔ تو ہم آپ کو ابھی ہزار روپیہ نقد بطور انعام کے دیں گے۔ اگر آپ ثابت کر سکیں۔ اور اگر آپ یہ ثبوت نہ دے سکیں۔ تو اس ذلیل زندگی سے آپ کے لئے مرنا بہتر ہے۔ کیونکہ ہم نے ثابت کر دیا۔ کہ قیصر روم اس گورنمنٹ عالیہ کا ہم مرتبہ تھا۔ بلکہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں اس کی طاقت کے برابر اور کوئی طاقت دنیا میں موجود نہ تھی۔ ہماری گورنمنٹ تو اس درجہ تک نہیں پہنچی۔ پھر جبکہ قیصر باوجود اس شہنشاہی کے آہ کھینچ کر یہ بات کہتا ہے کہ اگر میں اس عالیجناب کی خدمت میں پہنچ سکتا تو آنجناب مقدس کے پاؤں دھویا کرتا۔ تو کیا یہ گورنمنٹ اس سے کم حصہ لیتی۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ضرور یہ گورنمنٹ بھی ایسے شہنشاہ کے پاؤں میں گرنا اپنا فخر سمجھتی۔ کیونکہ یہ گورنمنٹ اُس آسمانی بادشاہ سے منکر نہیں جس کی طاقتوں کے آگے انسان اک مرے ہوئے کیڑے کے برابر نہیں اور ہم نے اک معتبر ذریعہ سے سنا ہے کہ ہماری قیصرۂ ہند ادام اللہ اقبالہا درحقیقت اسلام سے محبت رکھتی ہے۔ اور اس کے دل میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بہت تعظیم ہے۔ چنانچہ ایک ذی علم مسلمان سے وہ اُردو

بھی پڑھتی ہے۔ ان کی ایسی تعریفوں کو سن کر میں نے اسلام کی طرف ایک خاص دعوت سے حضرت ملکہ معظمہ کو مخاطب کیا تھا۔ پس یہ نہایت غلطی ہے کہ آپ لوگ اس مراتب شناس گورنمنٹ کو بھی اک سفلہ اور کمینہ پادری کی طرح خیال کرتے ہیں جن کو خدا ملک اور دولت دیتا ہے۔ ان کو زیرکی اور عقل بھی دیتا ہے۔ ہاں اگر یہ سوال پیش ہو کہ اگر کوئی ایسا شخص اس گورنمنٹ کے ملک میں یہ غوغا مچاتا کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں تو گورنمنٹ اس کا تدارک کیا کرتی۔ تو اس کا جواب یہی ہے کہ یہ مہربان گورنمنٹ اس کو کسی ڈاکٹر کے سپرد کرتی۔ تا اس کے دماغ کی اصلاح ہو یا اس بڑے گھر میں محفوظ رکھتی جس میں بمقام لاہور اس قسم کے بہت لوگ جمع ہیں۔

جب ہم حضرت مسیح اور جناب خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بات میں بھی مقابلہ کرتے ہیں۔ کہ موجودہ گورنمنٹوں نے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا اور کس قدر ان کے ربانی رعب یا الٰہی تائید نے اثر دکھایا۔ تو ہمیں اقرار کرنا پڑتا ہے کہ حضرت مسیح میں بمقابلہ جناب مقدس نبوی خاتم الانبیا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدائی تو کیا نبوت کی شان بھی پائی نہیں جاتی۔ جناب مقدس نبویؐ کے جب بادشاہوں کے نام فرمان جاری ہوئے۔ تو قیصر روم نے آہ کھینچ کر کہا کہ میں تو عیسائیوں کے پنجہ میں مبتلا ہوں۔ کاش اگر مجھے اس جگہ سے نکلنے کی گنجائش ہوتی۔ تو میں اپنا فخر

سمجھتا کہ خدمت میں حاضر ہو جاؤں اور غلاموں کی طرح جناب مقدس کے پاؤں دھویا کروں۔ مگر ایک خبیث اور پلید دل بادشاہ کسریٰ ایران کے فرمانروا نے غصہ میں آکر آپؐ کے پکڑنے کے لئے سپاہی بھیج دیئے۔ وہ شام کے قریب پہنچے اور کہا کہ ہمیں گرفتاری کا حکم ہے۔ آپ نے اس بیہودہ بات سے اعراض کر کے فرمایا تم اسلام قبول کرو۔ اُس وقت آپ صرف دو چار اصحاب کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے مگر ربّانی رعب سے وہ دونوں بید کی طرح کانپ رہے تھے۔ آخر انہوں نے کہا کہ ہمارے خداوند کے حکم یعنی گرفتاری کی نسبت جناب عالی کا کیا جواب ہے کہ ہم جواب ہی لے جائیں حضرت نبی اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا کل تمہیں جواب ملے گا۔ صبح کو جو وہ حاضر ہوئے تو آنجناب نے فرمایا کہ وہ جسے تم خداوند خداوند کہتے ہو۔ وہ خداوند نہیں ہے خداوند وہ ہے جس پر موت اور فنا طاری نہیں ہوتی۔ مگر تمہارا خداوند آج رات کو مارا گیا۔ میرے سچے خداوند نے اسی کے بیٹے شیرویہ کو اُس پر مسلط کر دیا سو وہ آج رات اس کے ہاتھ سے قتل ہو گیا اور یہی جواب ہے۔ یہ بڑا معجزہ تھا۔ اس کو دیکھ کر اُس ملک کے ہزارہا لوگ ایمان لائے۔ کیونکہ اُسی رات درحقیقت خسرو پرویز یعنی کسریٰ مارا گیا تھا اور یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ بیان انجیلوں کی بے سروپا اور بے اصل باتوں کی طرح نہیں بلکہ احادیث صحیحہ اور تاریخی ثبوت اور مخالفوں کے اقرار سے ثابت ہے

چنانچہ ڈیونپورٹ صاحب بھی اس قصہ کو اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔ لیکن اس وقت کے بادشاہوں کے سامنے حضرت مسیح کی جو عزت تھی۔ وہ آپ پر پوشیدہ نہیں۔ وہ اوراق شاید اب تک انجیل میں موجود ہوں گے۔ جن میں لکھا ہے کہ ہیرودیس نے حضرت مسیح کو مجرموں کی طرح پلاطوس کی طرف چالان کیا۔ اور وہ ایک مدت تک شاہی حوالات میں رہے۔ کچھ بھی خدائی پیش نہیں گئی۔ اور کسی بادشاہ نے یہ نہ کہا کہ میرا فخر ہو گا۔ اگر میں اس کی خدمت میں رہوں۔ اور اس کے پاؤں دھویا کروں۔ بلکہ پلاطوس نے یہودیوں کے حوالہ کر دیا۔ کیا یہی خدائی تھی۔ عجیب مقابلہ ہے۔ دو شخصوں کو ایک ہی قسم کے واقعات پیش آئے۔ اور دونوں نتیجہ میں ایک دوسرے سے بالکل ممتاز ثابت ہوتے ہیں۔ ایک شخص کے گرفتار کرنے کو ایک متکبر جبار کا شیطان کے وسوسہ سے برانگیختہ ہونا اور خود آخر لعنت الٰہی میں گرفتار ہو کر اپنے بیٹے کے ہاتھ سے بڑی ذلت کے ساتھ قتل کیا جانا اور ایک دوسرا انسان جسے قطع نظر اپنے اصلی دعووں کے غلو کرنے والوں نے آسمان پر چڑھا رکھا ہے۔ سچ مچ گرفتار ہو جانا۔ چالان کیا جانا اور عجیب ہیئت کے ساتھ ظالم پولیس کی حوالات میں ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل کیا جانا...... افسوس یہ عقل کی ترقی کا زمانہ اور ایسے بیہودہ عقائد۔ شرم! شرم!

اگر یہ کہو کہ کس کتاب میں لکھا ہے کہ قیصر روم نے یہ تمنا کی۔ کہ اگر میں جناب مقدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ سکتا۔ تو میں ایک ادنیٰ خادم بن کر پاؤں دھویا کرتا۔ اس کے جواب میں آپ کے لئے اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری کی عبارت

لکھتا ہوں ذرا آنکھیں کھول کر پڑھو اور وہ یہ ہے: وقد کنت اعلم انّہ خارج ولم اکن اظن انہ منکم فلو انی اعلم انی اخلص الیہ لتجشمت لقاءہ ولو کنت عندہ لغسلت عن قدمیہ (دیکھو ص ۴)، یعنی یہ تو مجھے معلوم تھا کہ نبی آخر الزمان آنے والا ہے۔ مگر مجھ کو یہ خبر نہیں تھی کہ وہ تم میں سے ہی (اے اہل عرب) پیدا ہوگا۔ پس اگر میں اس کی خدمت میں پہنچ سکتا تو میں بہت ہی کوشش کرتا کہ اس کا دیدار مجھے نصیب ہو۔ اور اگر میں اُس کی خدمت میں ہوتا تو میں اس کے پاؤں دھویا کرتا۔ اب اگر کچھ غیرت اور شرم ہے تو مسیح کے لئے یہ تعظیم کسی بادشاہ کی طرف سے جو اس کے زمانہ میں تھا پیش کرو اور نقد ہزار روپیہ ہم سے لو۔ اور کچھ ضرورت نہیں کہ انجیل سے ہی بلکہ پیش کرو۔ اگرچہ کوئی نجاست میں پڑا ہوا ورق ہی پیش کر دو۔ اور اگر کوئی بادشاہ یا امیر نہیں تو کوئی چھوٹا سا نواب ہی پیش کر دو۔ اور یاد رکھو کہ ہرگز پیش نہ کر سکو گے پس یہ عذاب بھی جہنم کے عذاب سے کچھ کم نہیں کہ آپ ہی بات کو اٹھا کر پھر آپ ہی ملزم ہو گئے۔ شاباش! شاباش! شاباش! خوب پادری ہو!

مسیح کا چال چلن آپ کے نزدیک کیا تھا ایک کھاؤ پیو۔ شرابی، نہ زاہد نہ عابد، نہ حق کا پرستار، متکبر، خود بین، خدائی کا دعوے کرنے والا۔ مگر اس سے پہلے اور بھی کئی خدائی کا دعوے کرنے والے گذر چکے ہیں۔ ایک مصر میں ہی موجود تھا۔ دعووں کو الگ کر کے کوئی **اخلاقی حالت** جو فی الحقیقت ثابت ہو ذرا پیش تو کرو تا حقیقت معلوم ہو۔ کسی کی محض باتیں اس کے اخلاق میں داخل نہیں ہو سکتیں۔ آپ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ مرتد جو خود خونی اور اپنے کام سے سزا کے لائق ٹھہر چکے تھے

بے رحمی سے قتل کئے گئے مگر آپ کو یاد نہ رہا کہ اسرائیلی نبیوں نے تو شیر خوار بچے بھی قتل کئے۔ ایک دو نہیں۔ بلکہ لاکھوں تک نوبت پہنچی۔ کیا اُن کی نبوت سے منکر ہو۔ یا وہ خدا تعالیٰ کا حکم نہیں تھا یا موسیٰ کے وقت خدا اور تھا اور جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کوئی اور خدا تھا

اے ظالم پادری کچھ شرم کر۔ آخر مرنا ہے۔ مسیح بے چارہ تمہاری جگہ جواب دہ نہیں ہو سکتا۔ اپنے کاموں سے تمہیں پکڑے جاؤ گے۔ اس سے کوئی پرسش نہ ہوگی اے نادان تو اپنے بھائی کی آنکھ میں تنکا دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کا شہتیر کیوں تجھے نظر نہیں آتا۔ تیری آنکھیں کیا ہوئیں جو تو اپنی آنکھوں کو دیکھ نہیں سکتا۔

زینب رضؓ کے نکاح کا قصہ جو آپ نے زنا کے الزام سے ناحق پیش کر دیا بجز اس کے کیا کہیں کہ ع

بدگہر از خطا خطا نہ کند

اے نالائق متبنّٰی کی مطلقہ سے نکاح کرنا زنا نہیں۔ صرف منہ کی بات سے نہ کوئی بیٹا بن سکتا ہے۔ اور نہ کوئی باپ بن سکتا ہے اور نہ ماں بن سکتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی عیسائی غصہ میں آکر اپنی بیوی کو ماں کہہ دے تو کیا وہ اس پر حرام ہو جائے گی اور طلاق واقع ہو جائے گی۔ بلکہ وہ بدستور اُسی ماں سے مجامعت کرتا رہے گا۔ پس جس شخص نے یہ کہا کہ طلاق بغیر زنا کے نہیں ہو سکتی۔ اس نے خود قبول کر لیا کہ صرف اپنے منہ سے کسی کو ماں یا باپ یا بیٹا کہہ دینا کچھ چیز نہیں۔ ورنہ وہ ضرور کہہ دیتا کہ ماں کہنے سے طلاق پڑ جاتی ہے مگر شاید کہ مسیح کو وہ عقل نہ تھی۔ جو فتح مسیح کو ہے۔ اب تم پر فرض ہے

کہ اس بات کا ثبوت انجیل میں سے دو کہ اپنی عورت کو ماں کہنے سے طلاق پڑجاتی ہے یا یہ کہ اپنے مسیح کی تعلیم کو ناقص مان لو۔ یا یہ ثبوت دو کہ بائبل کی رُو سے متبنّیٰ فی الحقیقت بیٹا ہو جاتا اور بیٹے کی طرح وارث ہو جاتا ہے اور اگر کچھ ثبوت نہ دے سکو۔ تو بجز اس کے اور کیا کہیں کہ لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْن مسیح بھی تم پر لعنت کرتا ہے۔ کیونکہ مسیح نے انجیل میں کسی جگہ نہیں کہا کہ اپنی عورت کو ماں کہنے سے اس پر طلاق پڑ جاتی ہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ یہ تینوں امر مشکل ہیں۔ اگر صرف مُنہ کے کہنے سے ماں نہیں بن سکتی تو پھر بیٹا بھی نہیں بن سکتا۔ اور نہ باپ بن سکتا ہے اب اگر کچھ حیا ہو تو مسیح کی گواہی قبول کر لو یا اس کا کچھ جواب دو اور یاد رکھو کہ ہرگز نہیں دے سکو گے۔ اگرچہ فکر کرتے کرتے مر ہی جاؤ کیونکہ تم کاذب ہو اور مسیح تم سے بیزار ہے ❊

اور آپ کا یہ شیطانی وسوسہ کہ خندق کھودتے وقت چاروں نمازیں قضا کی گئیں۔ اول آپ لوگوں کی علمیت تو یہ ہے کہ قضا کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اے نادان قضا نماز ادا کرنے کو کہتے ہیں۔ ترک نماز کا نام قضا ہرگز نہیں ہوتا۔ اگر کسی کی نماز ترک ہو جاوے تو اس کا نام فوت ہے اسی لئے ہم نے پانچ ہزار روپے کا اشتہار دیا تھا۔ کہ ایسے بیوقوف بھی اسلام پر اعتراض کرتے ہیں جن کو ابھی تک قضا کے معنی بھی معلوم نہیں جو شخص لفظوں کو بھی اپنے محل پر استعمال نہیں کرسکتا۔ وہ نادان کب یہ لیاقت رکھتا ہے کہ امور

دقیقہ پر نکتہ چینی کر سکے۔ باقی رہا یہ کہ خندق کھودنے کے وقت چار نمازیں جمع کی گئیں۔ اس احمقانہ وسوسہ کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دین میں حرج نہیں ہے یعنی ایسی سختی نہیں جو انسان کی تباہی کا موجب ہو۔ اس لئے اس نے ضرورتوں کے وقت اور بلاؤں کی حالت میں نمازوں کے جمع کرنے اور قصر کرنے کا حکم دیا ہے مگر اس مقام میں ہماری کسی معتبر حدیث میں چار جمع کرنے کا ذکر نہیں بلکہ **فتح الباری شرح صحیح بخاری** میں لکھا ہے کہ واقعہ صرف یہ ہوا تھا کہ ایک نماز یعنی صلوٰۃ العصر معمول سے تنگ وقت میں ادا کی گئی۔ اگر آپ اس وقت ہمارے سامنے ہوتے تو ہم آپ کو ذرا بٹھا کر پوچھتے کہ کیا یہ **متفق علیہ** روایت ہے کہ چار نمازیں فوت ہو گئی تھیں۔ چار نمازیں **تو خود شرع کی رو سے جمع ہو سکتی ہیں** یعنی ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء۔ ہاں ایک روایت ضعیف میں ہے کہ ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء اکٹھی کر کے پڑھی گئی تھیں لیکن دوسری **صحیح حدیثیں** اس کو رد کرتی ہیں اور صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ عصر **تنگ وقت** میں پڑھی گئی تھی۔ آپ **عربی علم** سے محض بے نصیب اور سخت جاہل ہیں۔ **ذرا قادیان کی طرف آؤ** اور ہمیں **ملو**۔ تو پھر آپ کے آگے کتابیں رکھی جائیں گی تا جھوٹے مفتری کو کچھ سزا تو ہو **ندامت کی سزا ہی سہی۔ اگرچہ ایسے لوگ شرمندہ بھی نہیں ہوا کرتے** ؛

مال مسروقہ کو آپ کے مسیح کے روبرو بزرگ حواریوں کا کھانا

یعنی بیگانے کھیتوں کی بالیاں توڑنا کیا یہ درست تھا اگر کسی جنگ میں کفار کے بلوے اور خطرناک حالت کے وقت نماز عصر تنگ وقت پر پڑھی گئی۔ تو اس میں صرف یہ بات تھی کہ دو عبادتوں کے جمع ہونے کے وقت اس عبادت کو مقدم سمجھا گیا جس میں کفار کے خطرناک حملہ کی روک اور اپنے حقوق نفس اور قوم اور ملک کی جائز اور بجا محافظت تھی۔ اور یہ تمام کارروائی اس شخص کی تھی جو شریعت لایا اور یہ بالکل قرآن کریم کے منشاء کے مطابق تھی۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰی اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی[1]۔ یعنی نبی کی ہر یک بات خدا تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہے۔ نبی کا زمانہ نزول شریعت کا زمانہ ہوتا ہے اور شریعت وہی ٹھہر جاتی ہے جو نبی عمل کرتا ہے۔ ورنہ جو جو کارروائیاں مسیح نے توریت کے برخلاف کی ہیں یہاں تک کہ سبت کی بھی پرواہ نہ رکھی اور کھانے پر ہاتھ نہ دھوئے۔ وہ سب مسیح کو مجرم ٹھہراتی ہیں ذرا توریت سے ان سب کا ثبوت تو دو۔ مسیح پطرس کو شیطان کہہ چکا تھا۔ پھر اپنی بات کیوں بھول گیا۔ اور شیطان کو حواریوں میں کیوں داخل رکھا۔

اور پھر آپ کا اعتراض ہے کہ بہت سی عورتوں اور لونڈیوں کو رکھنا یہ فسق و فجور ہے۔ اے نادان حضرت داؤد نبیؑ کی بیبیاں تجھ کو یاد نہیں جس کی تعریف کتاب مقدس میں ہے۔ کیا وہ اخیر عمر تک حرام کاری کرتا رہا۔ کیا اسی حرام کاری کی یہ پاک ذریت ہے جس پر تمہیں بھروسہ ہے۔ جس خدا نے اوریا کی بیوی کے بارے میں داؤد پر عتاب کیا۔ کیا وہ داؤد کے اُس جرم سے غافل رہا جو مرتے دم تک اس سے سرزد

[1] النجم: ۴-۵

ہوتا رہا۔ بلکہ خدا نے اس کی چھاتی گرم کرنے کو ایک اور لڑکی بھی اُسے دی اور آپ کے خدا کی شہادت موجود ہے کہ داؤد اوریا کے قصہ کے سوا اپنے تمام کاموں میں راستباز ہے کیا کوئی عقلمند قبول کر سکتا ہے۔ کہ اگر کثرت ازدواج خدا کی نظر میں بری تھی۔ تو خدا اسرائیلی نبیوں کو جو کثرت ازدواج میں سب سے بڑھ کر نمونہ ہیں۔ ایک مرتبہ بھی اس فعل پر سرزنش نہ کرتا۔ پس بہت بے ایمانی ہے کہ جو بات خدا کے پہلے نبیوں میں موجود ہے۔ اور خدا نے اسے قابل اعتراض نہیں ٹھہرایا اب شرارت اور خباثت سے جناب مقدس نبوی کی نسبت قابل اعتراض ٹھہرائی جاوے۔ افسوس یہ لوگ ایسے بے شرم ہیں کہ اتنا بھی نہیں سوچتے۔ کہ اگر ایک سے اوپر بیوی کرنا زنا کاری ہے۔ تو حضرت مسیح جو داؤد کی اولاد کہلاتے ہیں۔ ان کی پاک ولادت کی نسبت سخت شبہ پیدا ہوگا۔ اور کون ثابت کر سکے گا۔ کہ ان کی بڑی نانی حضرت داؤد کی پہلی ہی بیوی تھی۔

پھر آپ حضرت عایشہ صدیقہ رضؓ کا نام لے کر اعتراض کرتے ہیں کہ جناب مقدس نبویؐ کا بدن سے بدن لگانا اور زبان چوسنا خلاف شرع تھا اب اس ناپاک تعصب پر کہاں تک روویں۔ اے نادان جو حلال اور جائز نکاح ہیں۔ ان میں یہ سب باتیں جائز ہوتی ہیں یہ اعتراض کیسا ہے۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ مردی اور رجولیت انسان کی صفات محمودہ میں سے ہے ہیجڑا ہونا کوئی اچھی صفت نہیں۔ جیسے بہرہ اور گونگا ہونا کسی خوبی میں داخل نہیں۔ ہاں یہ اعتراض بہت بڑا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام مردانہ صفات کی اعلیٰ ترین صفت سے بے نصیب محض ہونے کے باعث ازدواج سے سچی اور کامل

حسن معاشرت کا کوئی عملی نمونہ نہ دے سکے۔ اس لئے یورپ کی عورتیں نہایت قابل شرم آزادی سے فائدہ اٹھا کر اعتدال کے دائرہ سے ادھر ادھر نکل گئیں۔ اور آخر ناگفتنی فسق و فجور تک نوبت پہنچی ❊

اے نادان فطرت انسانی اور اس کے سچے پاک جذبات سے اپنی بیویوں سے پیار کرنا اور حسن معاشرت کے ہر قسم جائز اسباب کو برتنا انسان کا طبعی اور اضطراری خاصہ ہے۔ اسلام کے بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اُسے برتا اور اپنی جماعت کو ایک نمونہ دیا مسیح نے اپنے نقص تعلیم کی وجہ سے اپنے ملفوظات اور اعمال میں یہ کمی رکھ دی۔ مگر چونکہ طبعی تقاضا تھا اس لئے یورپ اور عیسویت نے خود اس کے لئے ضوابط نکالے اب تم خود انصاف سے دیکھ لو کہ گندی سیاہ بدکاری اور ملک کا ملک رنڈیوں کا ناپاک چکلہ بن جانا ہائیڈ پارکوں میں ہزاروں ہزار کا روز روشن میں کتوں اور کتیوں کی طرح اوپر تلے ہونا اور آخر اس ناجائز آزادی سے تنگ آ کر آہ و فغان کرنا اور برسوں دیوثیوں اور سیاہ رویوں کے مصائب جھیل کر اخیر میں مسودۂ طلاق پاس کرانا یہ کس بات کا نتیجہ ہے۔ کیا اس قدوس مطہر مزکی نبی امی کی معاشرت کے اس نمونہ کا جس پر خباثت باطنی کی تحریک سے آپ معترض ہیں۔ یہ نتیجہ ہے۔ اور ممالک اسلامیہ میں تعفن اور زہریلی ہوا پھیلی ہوئی ہے یا ایک سخت ناقص نالائق کتاب پولوسی انجیل کی مخالف فطرت اور ادھوری تعلیم کا یہ اثر ہے۔ اب دوزانو ہو کر بیٹھو۔ اور یوم الجزا کی تصویر کھینچ کر غور کرو ❊

ہاں مسیح کی دادیوں اور نانیوں کی نسبت جو اعتراض ہے۔ اس کا جواب بھی کبھی آپ نے سوچا ہوگا۔ ہم تو سوچ کر تھک گئے۔ اب تک کوئی عمدہ جواب خیال میں نہیں آیا۔ کیا ہی خوب خدا ہے۔ جس کی دادیاں اور نانیاں اس کمال کی ہیں۔ آپ یاد رکھیں کہ ہم بقول آپ کے مرد میدان بن کر ہی رسالہ لکھیں گے اور آپ کو دکھائیں گے کہ وساوس کی بیخ کنی اسے کہتے ہیں۔ اس جاہل گمراہ کا شکست دینا کون سی بڑی بات ہے جو انسان کو خدا بناتا ہے مگر آپ از راہ مہربانی ان چند باتوں کا جو میں نے دریافت کی ہیں ضرور جواب لکھیں۔ اور ان الفاظ سے ناراض نہ ہوں جو لکھے گئے ہیں کیونکہ الفاظ محل پر چسپاں ہیں۔ اور آپ کی شان کے شایاں ہیں جس حالت میں آپ نے باوجود بے علمی اور جہالت کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر جو سید المطہرین ہیں۔ زنا کی تہمت لگائی۔ تو اس پلید جھوٹ اور افترا کا یہی جواب تھا۔ جو آپ کو دیا گیا۔ ہم نے بہتیرا چاہا کہ آپ لوگ بھلے مانس بن جاویں۔ اور گالیاں نہ دیا کریں۔ مگر آپ لوگ نہیں مانتے۔ آپ ناحق اہل اسلام کا دل دکھاتے ہیں آپ نہیں جانتے کہ ہمارے نزدیک وہ نادان ہر ایک زناکار سے بدتر ہے۔ جو انسان کے پیٹ سے نکل کر خدا ہونے کا دعویٰ کرے۔ اگر آپ لوگ مسیح کے خیر خواہ ہوتے تو ہم سے جناب مقدس نبوی کے ذکر میں بے ادب پیش آتے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ تم اپنے باپ کو گالی مت دو۔ لوگوں نے عرض کی کہ کوئی باپ کو بھی گالی دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں جب تو کسی کے باپ کو گالی دے گا تو وہ ضرور تیرے باپ کو بھی گالی دے گا۔ تب وہ گالی اس نے نہیں دی۔ بلکہ تو نے

دی ہے۔ اسی طرح آپ لوگ چاہتے ہیں۔ کہ آپ کے بودے جھوٹے خدا کی بھی اچھی طرح بھگت سنواری جائے۔ اب ہم یہ خط بطور نوٹس کے آپ کو بھیجتے ہیں۔ کہ اگر پھر ایسے ناپاک لفظ آپ نے استعمال کئے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جناب میں ناپاک تہمت لگائی۔ تو ہم بھی آپ کے فرضی اور جعلی خدا کی وہ خبر لیں گے۔ جس سے اس کی تمام خدائی ذلت کی نجاست میں گرے گی ۔

اے نالائق کیا تو اپنے خط میں سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو زنا کی تہمت لگاتا ہے۔ اور فاسق وفاجر قرار دیتا ہے۔ اور ہمارا دل دکھاتا ہے ہم کسی عدالت کی طرف رجوع نہیں کرتے اور نہ کرینگے۔ مگر آئندہ کے لئے سمجھاتے ہیں کہ ایسی ناپاک باتوں سے باز آجاؤ اور خدا سے ڈرو جس کی طرف پھرنا ہے اور حضرت مسیح کو بھی گالیاں مت دو۔ یقیناً جو کچھ تم جناب مقدس نبوی کی نسبت برا کہو گے۔ وہی تمہارے فرضی مسیح کو کہا جائے گا۔ مگر ہم اس سچے مسیح کو مقدس اور بزرگ اور پاک جانتے اور مانتے ہیں جس نے نہ خدائی کا دعوٰے کیا نہ بیٹا ہونے کا اور جناب محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی خبر دی اور ان پر ایمان لایا فقط۔

مولوی صاحبان امرتسر کی اسلامی ہمدردی

حضرات مولوی صاحبان امرتسر جو چھ سات آدمی سے

زیادہ نہیں یعنی مولوی عبد الجبار صاحب غزنوی اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری اور مولوی غلام رسول صاحب امرتسری اور مولوی احمد اللہ صاحب وغیرہ صاحبان نے اس درخواست پر دستخط کرنے سے اعتراض کیا جو گورنمنٹ میں براد توسیع دفعہ ۲۹۸ تعزیرات ہند اور نیز دو شرطوں کے پاس کرانے کی غرض سے بھیجی جائے گی اور مخالفت بجا کر کے ثابت کر دیا کہ وہ کیسے اسلام کے پکے دشمن اور اسلامی مصالح کے سخت مخالف ہیں ہم نے سنا ہے کہ عام مسلمانوں کو ان کی اس حرکت بے جا سے بہت ہی رنج ہوا۔ اور اکثر لوگوں نے بہت لعن طعن بھی کی کہ یہ کیسے مولوی اور کیسے مسلمان ہیں جنہوں نے محض اپنی ایک اندرونی نزاع کی وجہ سے اس سیدھی اور صاف اور نہایت مناسب تجویز سے گریز کی جس میں سراسر اسلام کی بھلائی اور جس سے آئندہ کو سب وشتم اور بیجا بہتان اور گندی گالیوں کا جو یاوہ گو آریہ اور پادری ہمارے پیغمبر خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے ہیں۔ دروازہ بند ہو جاتا تھا۔ لیکن مولوی صاحبوں کے اشتہار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پادری صاحبوں اور آریہ صاحبوں کو گالیاں دینے اور توہین مذہب کرنے میں بالکل بے قصور ٹھہراتے ہیں۔ اور یہ تمام الزام اس عاجز پر رکھتے ہیں کہ اوّل اس عاجز نے ان کے بزرگوں کو گالیاں دیں۔ اور پھر ناچار ان نیک بختوں کو بھی کہنا پڑا۔ سو یہ افترا اگر کچھ پوشیدہ اور قابل غور ہوتا تو ہم اس کا نہایت بسط اور تفصیل سے جواب دیتے۔ مگر ایسے سفید جھوٹ کا کیا جواب دیں جس میں ایک ذرہ بھی سچائی کی آمیزش نہیں ہم نہایت حیرت میں ہیں کہ اس قدر دروغگوئی کا نام کیا رکھیں آیا بے ایمانی رکھیں یا بد ذاتی کے نام سے موسوم کریں یا متعصبانہ جنون قرار دیں کیا ہیں؟

اس بات کو کون نہیں جانتا کہ ہندوستان اور پنجاب میں کم سے کم ۴۵ برس سے یہ بے اعتدالیاں شروع ہیں۔ ہمارے سید و مولیٰ حضرت خاتم الانبیاء سید المطہرین افضل الاولین والآخرین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر گالیاں دی گئی ہیں اور اس قدر قرآن کریم کو ہجا ٹھٹھے اور ہنسی کا نشانہ بنایا گیا ہے کہ دنیا میں کسی ذلیل سے ذلیل انسان کے لئے بھی کسی شخص نے یہ لفظ استعمال نہیں کئے۔ یہ کتابیں کچھ ایک دو نہیں بلکہ ہزارہا تک نوبت پہنچ گئی ہے۔ اور جو شخص ان کتابوں کے مضمون پر علم رکھ کر اللہ جلشانہ اور اس کے رسول پاک کے لئے کچھ بھی غیرت نہیں رکھتا وہ ایک لعنتی آدمی ہے نہ مولوی۔ اور ایک پلید حیوان ہے نہ انسان۔

اور یاد رہے کہ ان میں بہت سی ایسی کتابیں ہیں جو میرے بلوغ کے ایام سے بھی پہلے کی ہیں اور کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ ان کتابوں کی تالیف کا یہ موجب تھا کہ میں یا کسی اور مسلمان نے حضرت مسیح علیہ السلام کو گالیاں دی تھیں جس سے مشتعل ہو کر پادری فنڈل اور صفدر علی اور پادری ٹھاکر داس اور عماد الدین اور پادری ولیمس ریواری نے وہ کتابیں تالیف کیں کہ اگر ان کی گالیاں اور بے ادبیاں جمع کی جائیں تو اس سے سو جز کی کتاب بن سکتی ہیں۔ اور ایسا ہی کوئی اس بات کا ثبوت نہیں دے سکتا کہ جس قدر گالیاں اور بے ادبیاں پنڈت دیانند نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں ہمارے سید و مولیٰ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو دیں اور دین اسلام کی توہین کی یہ کسی ایسے اشتعال کی وجہ سے تھیں جو ہماری طرف سے ہوا تھا۔ ایسا ہی آریوں میں سے لیکھرام وغیرہ جواب تک گندی کتابیں چھاپ

رہے ہیں۔ اصل موجب اس کا ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہم نے وید کے رشیوں کو گالیاں دی تھیں بلکہ اگر ہم نے کچھ وید کی نسبت براہین میں لکھا تو نہایت تہذیب سے لکھا اور اس وقت لکھا گیا کہ جب دیانند اپنے ستیارتھ پرکاش میں اور کنہیا لعل الکھ دھاری لدھیانوی اپنی کتابوں میں اور اندرمن مراد آبادی اپنی پلید تالیفوں میں ہزارہا گالیاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دے چکے تھے اور ان کی کتابیں شائع ہو چکی تھیں اور بعض بدبخت اور آنکھوں کے اندھے مسلمان آریہ بن چکے تھے اور اسلام سے نہایت درجہ ٹھٹھا کیا گیا تھا اور پھر بھی ہم نے براہین میں تہذیب کو ہاتھ سے نہ دیا۔ گو ہمارا دل دکھایا گیا اور بہت ہی دکھایا گیا۔ مگر ہم نے اپنی کتاب میں ہرگز ناراستی اور سختی کو اختیار نہ کیا اور جو واقعات دراصل صحیح اور محل پر چسپاں تھے وہی بیان کئے۔ ہم بمقابل آریوں کی گالیوں کے ویدوں کے رشیوں کو کیونکر گالیاں دیتے ہمیں تو اب تک بھی یہ پتہ نہیں لگا کہ ویدوں کے رشی کچھ وجود بھی رکھتے تھے یا نہیں اور کہاں تھے اور کس شہر میں رہتے تھے اور ان کی زندگی کی سوانح کیا تھی اور ان کی لائف کا سلسلہ کس طور کا تھا۔ پھر ہم کیونکر ان کی نکتہ چینی کر سکتے ہیں اب تک ان کے وجود میں ہی شک ہے اور ہمارا یہی مذہب کہ اگنی وادر والیو اور ادت وغیرہ جو وید کے رشی سمجھے جاتے ہیں۔ یہ صرف فرضی اور خیالی نام ہیں اور ہم بالکل اس بات سے ناواقف ہیں کہ یہ لوگ کون تھے اگر ان کا کچھ بھی وجود خارج میں ہوتا۔ تو البتہ ان کی سوانح لکھی جاتی۔ اور وید کے مؤلف وہی معلوم ہوتے ہیں جن کے نام سکتوں کے سر پر موجود ہیں پھر ہم ایسے مستورالحال اور

مفقود الخبر رشیوں کو گالیاں کیونکر دے سکتے تھے۔ اور اسلام کا طریق گالی دینا نہیں ہے۔ مگر ہمارے مخالفوں نے ناحق بے وجہ اس قدر گالیوں سے بھری ہوئی کتابیں لکھی ہیں کہ اگر ان کا ایک جگہ ڈھیر لگایا جائے۔ تو ان کی بلندی ہزار فٹ سے کچھ کم نہ ہو۔ اور ابھی تک بس کب ہے ہر یک مہینہ میں ہزاروں رسالے اور کتابیں اور اخبار توہین اور سب وشتم سے بھرے ہوتے نکلتے ہیں پس ہم ان مولویوں کی حالت پر افسوس تو یہی ہے کہ ایسے مولوی جو کہتے ہیں کہ جو کچھ ہوتا ہے ہونا رہے۔ کچھ مضایقہ نہیں۔ اگر ان کی ماں کو کوئی ایسی گالی دی جاتی جو ہمارے پیارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو دی جاتی ہے۔ یا اگر ان کے باپ پر وہ بہتان لگایا جاتا۔ جو سیّد الرسل محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر لگایا جاتا ہے تو کیا یہ ایسے ہی چپ بیٹھے رہتے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ فی الفور عدالت تک پہنچتے۔ اور جہاں تک طاقت ہوتی کوشش کرتے کہ تا ایسا دشنام دِہ اپنی سزا کو پہنچے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اُن کے نزدیک کچھ چیز نہیں۔ غضب کی بات ہے کہ مخالفین کی طرف سے تو کچھ کروڑ کتاب اب تک اسلام کے ردّ اور توہین میں تالیف ہو چکیں اور سب وشتم کا کچھ انتہا نہ رہا اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ کچھ مضائقہ نہیں۔ ہونے دو جو کچھ ہوتا ہے عنقریب ہے جو ان گالیوں سے آسمان ٹکڑہ ٹکڑہ ہو جائیں مگر ان مولویوں کو کچھ پروا نہیں حیف ہے ایسے اسلام اور مسلمانی پر۔ کہ کہتے ہیں کہ کچھ بھی حرج نہیں

ہزارہا آدمی ان جھوٹے بہتانوں کو سن کر مرتد ہو گئے۔ مگر ان کے خیال میں ہنوز کسی احسن انتظام کی ضرورت نہیں۔ یا الٰہی یہ لوگ کیوں اندھے ہو گئے۔ مجھے کچھ سبب معلوم نہیں ہوتا۔ کیوں بہرے ہو گئے۔ مجھے کچھ بھی پتہ نہیں لگتا۔ اے قادر خدا اے حامی دین مصطفیٰ تو ان کے دلوں کے جذام کو دور کر۔ ان کی آنکھوں کو بینائی بخش کہ تو جو چاہتا ہے کرتا ہے تیرے آگے کوئی بات اَن ہونی نہیں۔ ہم تیری رحمتوں پر بھروسا رکھتے ہیں تو کریم اور قادر ہے۔

پیارے ناظرین ایک اور اعجوبہ بھی سنو۔ کہ یہ لوگ اپنے اشتہار میں لکھتے ہیں کہ اس قسم کا قانون پاس کرنا کہ کوئی شخص کسی مذہب پر ایسا اعتراض نہ کرے جو خود اس پر وارد ہوتا ہے۔ یہ صرف ہمارے ماخوذ کرانے کے لئے ہے۔ او ظالم مولویو! تم مطمئن رہو کہ تمہارے جھوٹ اور بہتان کی وجہ سے تم پر ہرگز نالش نہیں کرینگے۔ یہاں تک کہ اس دنیا سے گذر جائینگے لیکن برائے خدا اپنی خیانتوں سے اسلام پر ظلم مت کرو۔ یہ بات بالکل سچ ہے کہ اسلام پر جس قدر عیسائی مذہب اور دوسروں کی طرف سے اعتراض ہو رہے ہیں۔ وہ اعتراض ان کی کتابوں پر بھی وارد ہوتے ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ اگر قانون کا رعب درمیان ہوگا تو ایسے اعتراض آئندہ نابود ہو جائیں گے۔ اور جو پہلے کر چکے اُن کی قلعی کھل جائے گی۔ اور اس طریق سے اسلام کا چہرہ روشن سب کو نظر آجائے گا۔ اور تمام دھوکا دینے والوں کی کارستانیاں مٹ جائیں گی۔ سو تم سچ کو مت چھپاؤ۔ بے ایمانی مت اختیار کرو۔ اُس سے ڈرو جس کا غضب ایک کھا جانے والی آگ ہے۔

اور میں نے آپ لوگوں کا یہ قول بھی سنا ہے کہ ہم کیا دستخط کریں۔ عبداللہ آتھم کے معاملہ میں ہم بہت ہی نادم ہیں۔ اس کا ہم بجز اس کے کیا جواب دیں کہ درحقیقت آپ لوگ آتھم کی پیشگوئی کے بارہ میں بہت ہی شرمندہ ہیں۔ آپ کا کچھ باقی نہیں رہا۔ ہم مانتے ہیں کہ یہ بالکل سچ ہے کہ آپ کی اس پیشگوئی سے ناک کٹ گئی۔ اور بہت ہی شرمندگی آپ کو پہنچی۔ مگر ہمیں اب تک معلوم نہیں کہ اس شرمندگی اور ناک کٹنے کی آپ کے نزدیک وجہ کیا ہے۔ ہاں پیشگوئی کے واقعات اور آپ لوگوں کی ہٹ دھرمی پر نظر ڈال کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرمندگی ضرور دو وجہ سے ہے اور کوئی تیسری وجہ نہیں۔

(۱) اول تو یہ کہ آپ صاحبوں کے دل پر یہ سخت تازیانہ لگا کہ آتھم نے اپنے افعال اور اقوال اور خود اپنے اقرار سے پیشگوئی کا سچا ہونا ثابت کر دیا اور قسم کھانے سے پہلو تہی کر کے پیشگوئی کی اس شرط کی طرف لوگوں کے دلوں کو توجہ دلائی جس میں صریح لکھا گیا تھا کہ اگر **حق کی طرف رجوع کرے گا** تو یہ عذاب اس پر نازل نہیں ہوگا۔ پس اگر اس بات کے سوچنے سے شرمندگی ہوئی ہے کہ آپ لوگوں کے خلاف مراد عیسائیوں پر ایسی حجت پوری ہوئی کہ وہ منہ نہیں دکھا سکتے۔ تو بے شک آپ کی حالت قابل رحم ہے بلکہ ہمیں تو تعجب ہے کہ آپ لوگ اس صدمہ سے فوت کیوں نہ ہو گئے۔ کیونکہ یہ صدمہ بھی کچھ تھوڑا صدمہ نہیں کہ آتھم باوجود آپ لوگوں کی تحریک کے قسم کھا کر اپنی صفائی نہ کر سکا۔ اور اب تک میت کی طرح بیٹھا ہے سو بے شک یہ شرمندگی کی جگہ تھی۔ آپ لوگ معذور ہیں۔ اور پھر رسالہ ضیاء الحق نے شائع ہو کر اور بھی آپ کے سر پر خاک ڈالی۔

(۲) دوسری وجہ آپ کے شرمندہ ہونے کی یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ جن تین

حملوں کا آتھم نے دعویٰ کیا تھا کہ گویا وہ اُن کی وجہ سے ڈر تا رہا نہ پیشگوئی کی اسلامی ہیبت سے ان تین حملوں کو نہ آتھم اب تک ثابت کر سکا اور نہ آپ لوگ ثابت کر سکے۔ اس لئے نہایت صفائی سے یہ ثابت ہو گیا کہ آتھم نے اسلامی پیشگوئی سے بہت خوف کھا کر اور حق کا ایک قوی اثر اپنے دل پر ڈال کر رجوع الی الحق کی شرط کو پورا کر دیا پھر کیوں آپ لوگ شرمندہ نہ ہوں بلکہ جس قدر شرمندہ ہوں وہ تھوڑا ہے۔ آپ لوگ تو مر گئے ناک کٹ گئی۔ کیا باقی رہا۔

بقیہ اعتراضات پادری فتح مسیح صاحب جس کو

اُنہوں نے دوسرے خط میں ظاہر کیا

ایک یہ اعتراض ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تین جگہ جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے اور اپنے دین کو چھپا لینے کے واسطے قرآن میں صاف حکم دے دیا ہے مگر انجیل نے ایمان کو پوشیدہ رکھنے کی اجازت نہیں دی اما الجواب۔ پس واضح ہو کہ جس قدر راستی کے التزام کے لئے قرآن شریف میں تاکید ہے میں ہرگز باور نہیں کر سکتا کہ انجیل میں اس کا عشر عشیر بھی تاکید ہو۔ تیس برس کے قریب عرصہ ہو گیا کہ ہم نے اسی بارہ میں ایک اشتہار دیا تھا اور قرآنی آیات لکھ کر اور عیسائیوں وغیرہ کو ایک رقم کثیر بطور انعام دینا کر کے اس بات کا وعدہ کیا تھا کہ جیسے ان آیات میں راست گوئی کی تاکید ہے۔ اگر کوئی عیسائی اس زور و شور کی تاکید انجیل میں

سے نکال کر دکھلاوے تو اس قدر انعام اُس کو دیا جائے گا۔ مگر پادری صاحبان اب تک ایسے چپ رہے کہ گویا ان میں جان نہیں۔ اب مدت کے بعد فتح مسیح صاحب کفن میں سے بولے شاید بوجہ امتداد زمانہ ہمارا وہ اشتہار ان کو یاد نہیں رہا۔ پادری صاحب آپ خس وخاشاک کو سونا بنانا چاہتے ہیں۔ اور موتی کی کان سے منہ مروڑ کر ادھر اُدھر بھاگتے ہیں۔ اگر یہ بدقسمتی نہیں تو اور کیا ہے۔ قرآن شریف نے دروغ گوئی کو بُت پرستی کے برابر ٹھیرایا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ[1] یعنی بتوں کی پلیدی اور جھوٹ کی پلیدی سے پرہیز کرو۔ اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ[2] الجزو نمبر ۵ یعنی اے ایمان والو انصاف اور راستی پر قائم ہو جاؤ اور سچی گواہیوں کو للہ ادا کرو اگرچہ تمہاری جانوں پر ان کا ضرر پہنچے یا تمہارے ماں باپ اور تمہارے اقارب ان گواہیوں سے نقصان اٹھاویں۔

اب اے ناخدا ترس ذرا انجیل کو کھول اور ہمیں بتلا کہ راست گوئی کے لئے ایسی تاکید انجیل میں کہاں ہے۔ اور اگر ایسی تاکید ہوتی تو پطرس اوّل درجہ کا حواری کیوں جھوٹ بولتا اور کیوں جھوٹی قسم کھا کر اور حضرت مسیح پر لعنت بھیج کر صاف منکر ہو جاتا کہ میں اس کو نہیں جانتا۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم محض راست گوئی کی وجہ سے شہید ہوتے رہے اور الٰہی گواہی کو انہوں نے ہرگز مخفی نہ رکھا گو ان کے خون سے زمین سرخ ہو گئی مگر انجیل سے ثابت ہے کہ خود آپ کے یسوع صاحب ہی اس شہادت✠ کو مخفی رکھتے ہیں جس کا ظاہر

✠ نوٹ:- دیکھو متی ۱۶ باب آیت ۲۰

[1] الحج: ۳۱ [2] النساء: ۱۳۶

کرنا ان پر واجب تھا اور وہ ایمان بھی دکھلا نہ سکے۔ جو مکہ میں مصائب کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے دکھلایا تھا۔ امید کہ آپ اس سے منکر نہیں ہوں گے اور اگر خیانت کے طور پر منکر بھی ہو گئے تو وہ تمام مقام ہم دکھلا دیں گے۔ بالفعل صرف نمونہ کے طور پر ثبوت میں لکھا گیا ؛

اور پھر آپ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تین جگہ جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے۔ مگر یہ آپ کو اپنی جہالت کی وجہ سے غلطی لگی ہے اور اصل بات یہی ہے کہ کسی حدیث میں جھوٹ بولنے کی ہرگز اجازت نہیں بلکہ حدیث میں تو یہ لفظ ہیں کہ ان قتلت و احرقت یعنی سچ کو مت چھوڑ اگرچہ تو قتل کیا جائے اور جلایا جائے۔ پھر جس حالت میں قرآن کہتا ہے کہ تم انصاف اور سچ مت چھوڑو۔ اگرچہ تمہاری جانیں بھی اس سے ضائع ہوں اور حدیث کہتی ہے کہ اگرچہ تم جلائے جاؤ اور قتل کئے جاؤ مگر سچ ہی بولو۔ تو پھر اگر فرض کے طور پر کوئی حدیث **قرآن اور احادیث صحیحہ کی مخالف ہو تو وہ قابل سماعت نہیں ہو گی**۔ کیونکہ ہم لوگ اسی حدیث کو قبول کرتے ہیں جو احادیث صحیحہ اور قرآن کریم کے مخالف نہ ہو۔ ہاں بعض احادیث میں توریہ کے جواز کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ اور اسی کو نفرت دلانے کی غرض سے کذب کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اور ایک جاہل اور احمق جب ایسا لفظ کسی حدیث میں بطور تسامح کے لکھا ہوا پاوے۔ تو شاید اس کو حقیقی کذب ہی سمجھ لے کیونکہ وہ اس قطعی فیصلہ سے بے خبر ہے کہ حقیقی کذب اسلام میں پلید اور حرام اور شرک کے برابر ہے۔ مگر توریہ جو درحقیقت کذب نہیں گو کذب کے رنگ میں ہی اضطرار کے وقت عوام کے واسطے اس کا جواز حدیث سے پایا جاتا ہے مگر پھر بھی لکھا ہے کہ افضل وہی لوگ ہیں۔ جو توریہ سے بھی پرہیز کریں۔

اور توریہ اسلامی اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں کہ فتنہ کے خوف سے ایک بات کو چھپانے کے لئے یا کسی اور مصلحت پر ایک راز کی بات مخفی رکھنے کی غرض سے ایسی مثالوں اور پیرایوں میں اس کو بیان کیا جائے کہ عقلمند تو اس بات کو سمجھ جائے اور نادان کی سمجھ میں نہ آئے اور اس کا خیال دوسری طرف چلا جائے۔ جو متکلم کا مقصود نہیں۔ اور غور کرنے کے بعد معلوم ہو کہ جو کچھ متکلم نے کہا ہے۔ وہ جھوٹ نہیں بلکہ حق محض ہے۔ اور کچھ بھی کذب کی اس میں آمیزش نہ ہو۔ اور نہ دل نے ایک ذرہ بھی کذب کی طرف میل کیا ہو جیسا کہ بعض احادیث میں دو مسلمانوں میں صلح کرانے کے لئے یا اپنی بیوی کو کسی فتنہ اور خانگی ناراضگی اور جھگڑے سے بچانے کے لئے یا جنگ میں اپنے مصالح دشمن سے مخفی رکھنے کی غرض سے اور دشمن کو اور طرف جھکا دینے کی نیت سے توریہ کا جواز پایا جاتا ہے مگر باوصف اس کے بہت سی حدیثیں دوسری بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ توریہ اعلیٰ درجہ کے تقویٰ کے برخلاف ہے۔ اور بہر حال کھلی کھلی سچائی بہتر ہے۔ اگرچہ اس کی وجہ سے قتل کیا جائے اور جلایا جائے مگر افسوس کہ یہ توریہ آپ کے یسوع صاحب کے کلام میں بہت ہی پایا جاتا ہے تمام انجیلیں اس سے بھری پڑی ہیں۔ اس لئے ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ اگر توریہ کذب ہے۔ تو یسوع سے زیادہ دنیا میں کوئی بھی کذاب نہیں گذرا یسوع صاحب کا یہ قول کہ میں خدا کی ہیکل کو ڈھا سکتا ہوں۔ اور میں تین دن میں اُسے بنا سکتا ہوں یہی وہ قول ہے جس کو توریہ کہتے ہیں۔ اور ایسا ہی وہ قول کہ ایک گھر کا مالک تھا جس نے انگورستان لگایا یہ سب توریہ کی قسمیں ہیں اور یسوع صاحب کے کلام میں اس کے بہت سے نمونے ہیں۔ کیونکہ وہ ہمیشہ چھپا چھپا کر باتیں کرتا تھا۔ اور اس کی

باتوں میں دو رنگی پائی جاتی تھی۔

اور ہمارے سید و مولیٰ جناب مقدس نبوی کی تعلیم کا ایک اعلیٰ نمونہ اس جگہ ثابت ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ جس توریہ کو آپ کا یسوع شیر مادر کی طرح تمام عمر استعمال کرتا رہا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حتی الوسع اس سے مجتنب رہنے کا حکم کیا ہے تا مفہوم کلام کا اپنی ظاہری صورت میں بھی کذب سے مشابہ نہ ہو مگر کیا کہیں اور کیا لکھیں کہ آپ کے یسوع صاحب اس قدر التزام سچائی کا نہ کر سکے جو شخص خدائی کا دعویٰ کرے وہ تو شیر ببر کی طرح دنیا میں آنا چاہیئے تھا نہ کہ ساری عمر توریہ اختیار کر کے اور تمام باتیں کذب کے ہمرنگ کہہ کر یہ ثابت کر دیوے۔ کہ وہ ان افراد کاملہ میں سے نہیں ہے۔ جو مرنے سے لاپرواہ ہو کر دشمنوں کے مقابل پر اپنے تئیں ظاہر کرتے ہیں اور خدا تعالےٰ پر پورا بھروسہ رکھتے ہیں۔ اور کسی مقام میں بزدلی نہیں دکھلاتے۔ مجھے تو ان باتوں کو یاد کر کے رونا آتا ہے۔ کہ اگر کوئی ایسے ضعیف القلب یسوع کی اُس ضعف حالت اور توریہ پر جو ایک قسم کا کذب ہے اعتراض کرے تو ہم کیا جواب دیں۔ جب میں دیکھتا ہوں کہ جناب سید المرسلین جنگ اُحد[1] میں اکیلے ہونے کی حالت میں برہنہ تلواروں کے سامنے کہہ رہے تھے **میں محمد ہوں۔ میں نبی اللہ ہوں میں ابن عبد المطلب** ہوں اور پھر دوسری طرف دیکھتا ہوں۔ کہ آپ کا یسوع کانپ کانپ کر اپنے شاگردوں کو یہ خلاف واقعہ تعلیم دیتا ہے کہ کسی سے نہ کہنا کہ

[1] سہو ہے یہ واقعہ غزوہ حنین کا ہے۔ شمس

میں یسوع مسیح ہوں۔ حالانکہ اس کلمہ سے کوئی اس کو قتل نہیں کرتا تو میں دریائے حسرت میں غرق ہو جاتا ہوں کہ یا الٰہی یہ شخص بھی نبی ہی کہلاتا ہے۔ جس کی شجاعت کا خدا کی راہ میں یہ حال ہے۔

الغرض فتح مسیح نے اپنی جہالت کا خوب پردہ کھولا بلکہ اپنے یسوع صاحب پر بھی وار کیا۔ کہ بعض اُن احادیث کو پیش کر دیا۔ جن میں توریہ کے جواز کا ذکر ہے۔ اگر کسی حدیث میں توریہ کو بطور تسامح کذب کے لفظ سے بیان بھی کیا گیا ہو تو یہ سخت جہالت ہے۔ کہ کوئی شخص اس کو حقیقی کذب پر محمول کرے۔ جبکہ قرآن اور احادیث صحیحہ بالاتفاق کذب حقیقی کو سخت حرام اور پلید ٹھہراتے ہیں اور اعلیٰ درجہ کی حدیثیں توریہ کے مسئلہ کو کھول کر بیان کر رہی ہیں۔ تو پھر اگر فرض بھی کر لیں کہ کسی حدیث میں بجائے توریہ کے کذب کا لفظ آ گیا ہو۔ تو نعوذ باللہ اس سے مراد حقیقی کذب کیونکر ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس کے قائل کے نہایت باریک تقویٰ کا یہ نشان ہو گا کہ جس نے توریہ کو کذب کی صورت سمجھ کر بطور تسامح کذب کا لفظ استعمال کیا ہو۔ ہمیں قرآن اور احادیث صحیحہ کی پیروی کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی امر اس کے مخالف ہو گا تو ہم اس کے وہ معنے ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ جو مخالف ہوں۔ احادیث پر نظر ڈالنے کے وقت یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ ایسی حدیثوں پر بھروسہ نکریں جو اُن احادیث سے متناقض اور مخالف ہوں۔ جن کی صحت اعلیٰ درجہ پر پہنچ چکی ہو۔ اور نہ ایسی حدیثوں پر جو قرآن کی نصوص صریحہ بیّنہ محکمہ سے صریح مخالف اور مغائر اور مبائن واقع ہوں پھر ایک ایسا مسئلہ جو قرآن اور احادیث صحیحہ نے اس پر اتفاق کر لیا ہے اور کتب دین میں صراحت

سے اس کا ذکر ہے۔ اس کے مخالف کسی بیہودہ قول یا کسی مغشوش اور غیر ثابت حدیث یا مشتبہ اثر سے تمسک کر کے اعتراض کرنا بد خیانت اور شرارت کا کام ہے۔ درحقیقت عیسائیوں کو ایسی شرارتوں نے ہی ہلاک کیا ہے۔ ان لوگوں کو خود بخود حدیث دیکھنے کا مادہ نہیں۔ غایت کار مشکوٰۃ کا کوئی ترجمہ دیکھ کر جس بات پر اپنے فہم ناقص سے عیب لگا سکتے ہیں وہی بات لے لیتے ہیں۔ حالانکہ کتب احادیث میں رطب و یابس سب کچھ ہوتا ہے اور عالم بالحدیث کو تنقید کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور یہ ایک نہایت نازک کام ہے کہ ہر یک قسم کی احادیث میں سے احادیث صحیحہ تلاش کریں اور پھر اس کے صحیح معنی معلوم کریں۔ اور پھر اس کے لئے صحیح محل تلاش کریں۔

قرآن نے جھوٹوں پر **لعنت کی ہے**۔ اور نیز فرمایا ہے کہ جھوٹے شیطان کے مصاحب ہوتے ہیں۔ اور جھوٹے بے ایمان ہوتے ہیں اور جھوٹوں پر شیاطین نازل ہوتے ہیں۔ اور صرف یہی نہیں فرمایا کہ تم جھوٹ مت بولو۔ بلکہ یہ بھی فرمایا ہے کہ تم جھوٹوں کی صحبت بھی چھوڑ دو اور ان کو اپنا یار دوست مت بناؤ۔ اور خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ اور ایک جگہ فرماتا ہے۔ کہ جب تو کوئی کلام کرے۔ تو تیری کلام محض صدق ہو ٹھٹھے کے طور پر بھی اس میں جھوٹ نہ ہو۔ اب بتلاؤ یہ تعلیمیں انجیل میں کہاں ہیں۔ اگر ایسی تعلیمیں ہوتیں تو **عیسائیوں میں اپریل فول کی گندی رسمیں** اب تک کیوں جاری رہتیں۔ دیکھو اپریل فول کیسی بری رسم ہے کہ ناحق جھوٹ بولنا اس میں تہذیب کی بات سمجھی جاتی ہے۔ یہ **عیسائی تہذیب** اور

انجیلی تعلیم ہے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی لوگ جھوٹ سے بہت ہی پیار کرتے ہیں۔ چنانچہ عملی حالت اس پر شاہد ہے۔ مثلاً قرآن تو تمام مسلمانوں کے ہاتھ میں ایک ہی ہے۔ مگر سنا گیا ہے کہ انجیلیں ساٹھ سے بھی کچھ زیادہ ہیں۔ شاباش اے پادریان جھوٹ کی مشق بھی ایسے کہتے ہیں۔ شاید آپ نے اپنے ایک مقدس بزرگ کا قول سنا ہے۔ کہ جھوٹ بولنا نہ صرف جائز بلکہ ثواب کی بات ہے۔ خدا تعالیٰ نے عدل کے بارے میں جو بغیر سچائی پر پورا قدم مارنے کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ فرمایا ہے لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى[1] یعنی دشمن قوموں کی دشمنی تمہیں انصاف سے مانع نہ ہو۔ انصاف پر قائم رہو کہ تقویٰ اسی میں ہے اب آپ کو معلوم ہے کہ جو قومیں ناحق ستاویں اور دکھ دیویں اور خونریزیاں کریں۔ اور تعاقب کریں اور بچوں اور عورتوں کو قتل کریں۔ جیسا کہ مکہ والے کافروں نے کیا تھا اور پھر لڑائیوں سے باز نہ آویں ایسے لوگوں کے ساتھ معاملات میں انصاف کے ساتھ برتاؤ کرنا کس قدر مشکل ہوتا ہے۔ مگر قرآنی تعلیم نے ایسے جانی دشمنوں کے حقوق کو بھی ضائع نہیں کیا۔ اور انصاف اور راستی کے لئے وصیت کی۔ مگر آپ تو تعصب کے گڑھے میں گرے ہیں۔ ان پاک باتوں کو کیونکر سمجھیں۔ انجیل میں اگرچہ لکھا ہے کہ اپنے دشمنوں سے پیار کرو مگر یہ نہیں لکھا کہ دشمن قوموں کی دشمنی اور ظلم تمہیں انصاف اور سچائی سے مانع نہ ہو۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ دشمن سے مدارات سے پیش آنا آسان ہے۔ مگر دشمن کے حقوق کی حفاظت کرنا اور مقدمات میں عدل اور انصاف کو ہاتھ سے نہ دینا یہ بہت مشکل اور فقط جوانمردوں کا کام ہے۔ اکثر

[1] المائدۃ : ۹

لوگ اپنے نزدیک دشمنوں سے محبت تو کرتے ہیں۔ اور میٹھی میٹھی باتوں سے پیش آتے ہیں مگر اُن کے حقوق دبا لیتے ہیں ایک بھائی دوسرے بھائی سے محبت کرتا ہے۔ اور محبت کے پردہ میں دھوکا دے کر اس کے حقوق دبا لیتا ہے مثلاً اگر زمیندار ہے تو چالاکی سے اس کا نام کاغذات بندوبست میں نہیں لکھواتا۔ اور یوں اتنی محبت کہ اس پر قربان ہوا جاتا ہے پس خدا تعالےٰ نے اس آیت میں محبت کا ذکر نہ کیا بلکہ معیار محبت کا ذکر کیا کیونکہ جو شخص اپنے جانی دشمن سے عدل کرے گا۔ اور سچائی اور انصاف سے درگذر نہیں کرے گا۔ وہی ہے جو سچی محبت بھی کرتا ہے۔ مگر آپ کے خدا کو یہ تعلیم یاد نہ رہی۔ کہ ظالم دشمنوں کے ساتھ عدل کرنے پر ایسا زور دیتا جو قرآن نے دیا اور دشمن کے ساتھ سچا معاملہ کرنے کے لیے اور سچائی کو لازم پکڑنے کے لئے وہ تاکید کرتا جو قرآن نے تاکید کی۔ اور تقویٰ کی باریک راہیں سکھاتا۔ مگر افسوس کہ جو بات سکھلائی دعوے کی سکھلائی اور پرہیز گاری کی سیدھی راہ پر قائم نہ کر سکا۔ یہ آپ کے فرضی یسوع کی نسبت ہم کہتے ہیں۔ جس کے چند پریشان ورق آپ کے ہاتھ میں ہیں اور جو خدائی کا دعویٰ کرتا کرتا آخر مصلوب ہو گیا اور ساری رات رو رو کر دعا کی کہ کسی طرح بچ جاؤں مگر بچ نہ سکا۔

ہمارے سید و مولیٰ نبی آخر الزمان صلے اللہ علیہ وسلم نے تو آپ دنیا سے جانے کے لئے دعا کی الحقنی بالرفیق الاعلیٰ مگر آپ کے خدا صاحب نے دنیا کی چند روزہ زندگی سے ایسا پیار کیا کہ ساری رات زندہ رہنے کے لئے دعائیں کرتا رہا بلکہ سُولی پر بھی رضا اور تسلیم کا کلمہ منہ سے نہ نکلا۔ اور اگر نکلا تو یہ نکلا کہ ایلی ایلی لما سبقتنی اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں ترک کر دیا اور خدا نے کچھ جواب

نہ دیا کہ اس نے ترک کر دیا۔ مگر بات تو ظاہر ہے کہ خدائی کا دعویٰ کیا۔ تکبّر کیا گیا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے آخر وقت میں مخیّر کیا کہ اگر چاہو تو
دنیا میں رہو اور اگر چاہو تو میری طرف آؤ۔ آپ نے عرض کیا کہ اے میرے
رب اب میں یہی چاہتا ہوں کہ تیری طرف آؤں اور آخری کلمہ آپ کا جس پر
آپ کی جان مطہر رخصت ہو گئی یہی تھا کہ بالرفیق الاعلیٰ یعنی اب میں
اس جگہ رہنا نہیں چاہتا میں اپنے خدا کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ اب دونوں
کلموں کو وزن کرو۔ آپ کے خدا صاحب نے تو فقط ساری رات زندہ رہنے
کے لئے دعا کی بلکہ صلیب پر بھی چلّا چلّا کر رو دیئے کہ مجھے موت
سے بچا لے۔ مگر کون سنتا تھا۔ لیکن ہمارے **مولیٰ نبی صلے اللہ**
علیہ وسلم نے زندگی کے لئے ہرگز دعا نہیں کی۔ اللہ تعالےٰ نے آپ
مختار کیا کہ اگر زندگی کی خواہش ہے تو یہی ہو گا۔ مگر آپ نے فرمایا کہ اب میں
اس دنیا میں رہنا نہیں چاہتا۔ **کیا یہ خدا ہے جس پر بھروسا ہے**
ڈوب جاؤ !!!

اور آپ کا یہ زعم کہ قرآن اپنے دین کو چھپا لینے کے لئے
حکم دیتا ہے۔ محض بہتان اور افترا ہے جس کی کچھ بھی اصلیت نہیں۔ قرآن
تو ان پر لعنت بھیجتا ہے* جو دین کی گواہی کو عمداً چھپاتے ہیں۔ اور ان پر
لعنت بھیجتا ہے۔ جو جھوٹ بولتے ہیں۔ شاید آپ نے قرآن کی اس آیت
سے بوجہ نافہمی کے دھوکا کھایا ہو گا۔ جو سورۃ النحل میں مذکور ہے۔ اور وہ
یہ ہے اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ[1] یعنی کافر عذاب میں

*نوٹ: لعنة اللہ علی الکاذبین[2] قرآن شریف میں ہے۔ یا انجیل میں جواب تو دو۔ منہ

[1] النحل: ۱۰۷ [2] اٰل عمران: ۶۲ ۳۶

ڈالے جائیں گے۔ مگر ایسا شخص جس پر زبردستی کی جائے یعنی ایمانی شعار کے ادا کرنے سے کسی فوق الطاقت عذاب کی وجہ سے روکا جائے۔ اور دل اس کا ایمان سے تسلی یافتہ ہے۔ وہ عنداللہ معذور ہے۔ مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ اگر کوئی ظالم کسی مسلمان کو سخت دردناک اور فوق الطاقت زخموں سے مجروح کرے اور وہ اُس عذاب شدید میں کوئی ایسے کلمات کہدے کہ اس کافر کی نظر میں کفر کے کلمات ہوں مگر وہ خود کفر کے کلمات کی نیت نہ کرے بلکہ دل اس کا ایمان سے لبالب ہو۔ اور صرف یہ نیت ہو کہ وہ اس ناقابل برداشت سختی کی وجہ سے اپنے دین کو چھپاتا ہے مگر نہ عمداً۔ بلکہ اس وقت جبکہ فوق الطاقت عذاب پہنچنے سے بے حواس اور دیوانہ سا ہو جائے تو خدا اس کی توبہ کے وقت اس کے گناہ کو اُن شرائط کی پابندی سے جو نیچے کی آیت میں مذکور ہیں معاف کر دے گا کیونکہ وہ غفور و رحیم ہے۔ اور وہ شرائط یہ ہیں۔ ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ لِلَّذِیۡنَ ہَاجَرُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا فُتِنُوۡا ثُمَّ جٰہَدُوۡا وَ صَبَرُوۡۤا ۙ اِنَّ رَبَّکَ مِنۡۢ بَعۡدِہَا لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ[1] یعنی ایسے لوگ جو فوق الطاقت دُکھ کی حالت میں اپنے اسلام کا اخفا کریں۔ ان کا اس شرط سے گناہ بخشا جائے گا کہ دکھ اٹھانے کے بعد پھر ہجرت کریں یعنی ایسی عادت سے یا ایسے ملک سے نکل جائیں جہاں دین پر زبردستی ہوتی ہے پھر خدا کی راہ میں بہت ہی کوشش کریں۔ اور تکلیفوں پر صبر کریں۔ ان سب باتوں کے بعد خدا اُن کا گناہ بخش دے گا کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔

اب ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی فوق الطاقت دُکھ کے وقت بھی جو دشمنوں سے اس کو پہنچے۔ دین اسلام کی گواہی کو پوشیدہ کرے وہ بھی خدا تعالیٰ کے نزدیک گناہگار ہے۔ مگر خدمات شائستہ دکھلانے کے

[1] النحل: ۱۱۱

بعد اور ایسی عادت یا ایسا ملک چھوڑ دینے کے بعد جس میں زبردستی کی جاتی ہے۔ اور صبر اور استقامت کے بعد اس کا گناہ معاف کیا جائے گا اور خدا اس کو ضائع نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ رحمٰن و رحیم ہے۔

غرض خدا تعالےٰ نے اس اخفا کو محل مدح میں نہیں رکھا بلکہ ایک گناہ قرار دیا ہے۔ اور اس گناہ کا کفارہ پچھلی آیت میں بتلا دیا ہے۔ اور جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں۔ جابجا ان مومنوں کی تعریف کی ہے۔ جو دین کی گواہی کو نہیں چھپاتے۔ اگرچہ جان جائے۔ ہاں ایسے شخص کو بھی رد کرنا نہیں چاہا۔ جو اپنی ضعف استعداد اور فوق الطاقت عذاب کی وجہ سے معذب ہونے کی حالت میں دین کی گواہی کو پوشیدہ رکھے۔ بلکہ اس کو اس شرط سے قبول کر لیا ہے کہ آئندہ ایسی عادت سے یا ایسے ملک سے جس میں زبردستی ہوتی ہے۔ علیحدہ ہو جائے۔ اور اپنے صدق اور ثبات اور مجاہدات سے اپنے ربّ کو راضی کرے۔ تب یہ گناہ دین کے اخفار کا معاف کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ خدا جس نے عاجز بندوں کو پیدا کیا ہے۔ نہایت کریم و رحیم خدا ہے۔ وہ کسی کو تھوڑے کئے اپنی جناب سے رد نہیں کرتا۔ یہ تو تعلیم قرآنی ہے۔ جو خدا تعالےٰ کی صفات رحمت اور مغفرت کے بالکل مطابق ہے۔ لیکن آپ کے اقرار سے یہ معلوم ہوا کہ یہ تعلیم انجیل کی نہیں ہے۔ اور انجیل کی رو سے یہ فتویٰ ہے کہ اگر کوئی عیسائی کسی فوق الطاقت دکھ کے وقت عیسائی دین کی گواہی سے زبان سے انکار کرے۔ تو وہ ہمیشہ کے لئے مردود ہو گیا۔ اور اب انجیل اس کو اپنی جماعت میں جگہ نہیں دے گی۔ اور اس کے لئے کوئی توبہ نہیں شاباش شاباش آج تم نے اپنے ہاتھ سے مہر لگا دی کہ یہ انجیل جو

تمہارے ہاتھ میں ہے۔ ایک جھوٹی انجیل ہے۔ خیر اب ہمارے وار سے بھی خالی نہ جاؤ۔ اور جو نیچے لکھتا ہوں اس کا جواب دو۔ ورنہ اگر کچھ حیا ہے تو عیسائی مذہب سے توبہ کرو۔

اعتراض یہ ہے۔ کہ جس حالت میں بقول آپ کے وہ تعلیم خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہو سکتی۔ کہ جو ایمان کے چھپانے والے کو اس کی توبہ اور اعمال صالحہ اور صبر اور ثبات کے بعد معافی کا وعدہ دے اور رحمت الٰہی سے ردّ نہ کرے۔ تو پھر انجیل کی تعلیم کس قدر سچائی سے دور ہوگی جس نے پطرس کو باوجود اس کی نہایت مکروہ بد اعمالی اور دروغ گوئی اور سخت انکار اور جھوٹی قسم اور مسیح پر لعنت بھیجنے اور ایمان کو پوشیدہ کرنے کے پھر قبول کر لیا۔ آپؐ کا اعتراض تو صرف اتنا تھا کہ قرآن نے ایسے لوگوں کو بھی اسلام سے ردّ نہیں کیا۔ جو کسی خوف سے اسلام کا زبان سے انکار کر دیں مگر انجیل نے تو اس بارے میں حد کر دی کہ ایسے شخص کو بھی پھر قبول کر لیا۔ جس نے نہ صرف ایمان کو پوشیدہ کیا۔ بلکہ صاف انکار کیا اور اپنے جھوٹ کو سچ ظاہر کرنے کے لئے قسم کھائی۔ بلکہ یسوع صاحب پر لعنت بھی بھیجی۔ اور اگر کہو کہ انجیل کی تعلیم نے اس کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ وہ اب تک مردود اور ایمان سے خارج ہے تو اس عقیدہ کا اشتہار دے دو۔ اب کہو قرآن پر اعتراض کرنے سے کچھ سزا پائی یا نہیں۔

٭ نوٹ: گواہی کا چھپانا اور دل میں رکھنا تو درکنار عیسائی تو انجیل کے مرتدوں کو بھی ایمان ملا کے پھر واپس لے لیتے ہیں۔ منہ

آپ اپنے خط میں لکھتے ہیں۔ کہ کسی امر کا جواب دینا اور بات ہے۔ مگر معقول طور پر جواب دینا اور بات ہے۔ اب بتاؤ معقولی طور پر یہ جواب ہیں یا نہیں۔ اور ابھی وقت آیا یا نہیں کہ ہم لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین کہہ دیں ؎

آپ نے یہ بھی خط میں لکھا ہے کہ محمدی لوگ جواب تو دیتے ہیں مگر وہ عقل کے سامنے جواب نہیں سمجھے جاتے۔ اب ہمارے یہ تمام جواب آپ کے سامنے ہیں اس کو چند منصفوں کو دکھلاؤ کہ کیا یہ عقل کے سامنے جواب ہیں یا نہیں۔ کیا آپ امید رکھتے ہیں کہ جو انجیل پر اعتراض ہم نے کئے ہیں آپ ان کا کچھ جواب دے سکیں گے ہرگز ممکن نہیں وہ دن آپ پر کبھی نہیں آئے گا کہ ان اعتراضات کے جواب سے سبکدوش ہو سکیں ؎

پھر آپ کا ایک یہ وسوسہ ہے کہ کامل گناہ کا بیان انجیل میں ہی ہے لیکن اگر آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انجیل تقویٰ کی راہوں کو کامل طور پر بیان نہیں کر سکی۔ اور نہ انجیل نے ایسا دعویٰ کیا۔ مگر قرآن شریف نے تو اپنے نزول کی علت غائی ہی یہ قرار دی ہے کہ تقویٰ کی راہوں کو سکھائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ[1]۔ یعنی یہ کتاب اس غرض سے اتری ہے کہ تا جو لوگ گناہ سے پرہیز کرتے ہیں۔ ان کو باریک سے باریک گناہوں پر بھی اطلاع دی جائے۔ تا وہ اُن بُرے کاموں سے بھی پرہیز کریں۔ جو باریک آنکھ کو نظر نہیں آتے۔ بلکہ فقط معرفت کی خوردبین سے نظر آ سکتے ہیں۔ اور موٹی نگاہیں ان کے دیکھنے سے خطا کر جاتی ہیں مثلاً آپ

[1] البقرۃ : ۳

کہ یسوع صاحب کا قول متی نے یہ لکھا ہے کہ میں تمہیں کہتا ہوں کہ جو کوئی شہوت سے کسی عورت پر نگاہ کرے۔ وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔ لیکن قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ نہ تو شہوت سے اور نہ بغیر شہوت کے بیگانہ عورت کے منہ پر ہرگز نظر نہ ڈال۔ اور ان کی باتیں مت سن۔ اور ان کی آواز مت سن۔ اور ان کے حسن کے قصے مت سن کہ ان امور سے پرہیز کرنا تجھے ٹھوکر کھانے سے بچائے گا۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ[1] یعنی مومنوں کو کہہ دے کہ نامحرم کو دیکھنے سے اپنی آنکھوں کو بند رکھیں۔ اور اپنے کانوں اور ستر گاہوں کی حفاظت کریں۔ یعنی کان کو بھی ان کی نرم باتوں اور ان کی خوبصورتی کے قصوں سے بچاویں۔ کہ یہ سب طریق ٹھوکر کھانے کے ہیں۔ اب اگر بے ایمانی کے زہر دل میں نہیں تو ایسی تعلیم سے یسوع کی تعلیم کا مقابلہ کرو۔ اور پھر نتائج پر بھی نظر ڈالو۔ یسوع کی تعلیم نے عام آزادی کی اجازت دے کر اور تمام ضروری شرائط کو نظر انداز کر کے تمام یورپ کو ہلاک کر دیا۔ یہاں تک کہ ان سب میں خنزیروں اور کتوں کی طرح فسق و فجور پھیلا۔ اور بے حیائی اس حد تک پہنچ گئی۔ کہ شیر بتیوں اور ولایت کی مٹھائیوں پر بھی یہ لفظ لکھے جاتے ہیں۔ کہ اے میری پیاری ذرا مجھے بوسہ دے۔ یہ تمام گناہ کس کی گردن پر ہے۔ بے شک اس یسوع کی گردن پر جس نے ایسی تعلیم دی کہ ایک جوان مرد یا عورت دوسرے پر نظر ڈالے مگر زنا کا قصد نہ کرے۔ اے نادان کیا زنا کا قصد اختیار میں ہے۔ جو شخص آزادی سے نامحرم عورتوں کو دیکھتا رہے گا آخر ایک دن بدنیتی سے بھی دیکھے گا۔ کیونکہ نفس کے جذبات ہر یک طبیعت

[1] النور: ۳۱

کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ اور تجربہ بلند آواز سے بلکہ چیخیں مار کر ہمیں بتلا رہا ہے کہ بیگانہ عورتوں کو دیکھنے میں ہرگز انجام بخیر نہیں ہوتا۔ یورپ جو زناکاری سے بھر گیا۔ اس کا کیا سبب ہے۔ یہی تو ہے کہ نامحرم عورتوں کو بے تکلف دیکھنا عادت ہو گیا اوّل تو نظر کی بدکاریاں ہوئیں اور پھر معانقہ بھی ایک معمولی امر ہو گیا پھر اس سے ترقی ہو کر بوسہ لینے کی بھی عادت پڑی یہاں تک کہ اُستاد جوان لڑکیوں کو اپنے گھروں میں لے جا کر یورپ میں بوسہ بازی کرتے ہیں۔ اور کوئی منع نہیں کرتا۔ تھیٹروں پر فسق و فجور کی باتیں لکھی جاتی ہیں تصویروں میں نہایت درجہ کی بدکاری کا نقشہ دکھایا جاتا ہے عورتیں خود چھپواتی ہیں کہ میں ایسی خوبصورت ہوں اور میری ناک ایسی اور آنکھ ایسی ہے۔ اور ان کے عاشقوں کے ناول لکھے جاتے ہیں اور بدکاری کا ایسا دریا بہ رہا ہے کہ نہ تو کانوں کو بچا سکتے ہیں نہ آنکھوں کو نہ ہاتھوں کو۔ نہ منہ کو۔ یہ

یسوع صاحب کی تعلیم ہے۔ کاش! ایسا شخص دنیا میں نہ آیا ہوتا۔

تا یہ بدکاریاں ظہور میں نہ آتیں۔ اس شخص نے پارسائی اور تقویٰ کا خون کر دیا اور اور الحاد اور اباحت کو تمام ملک میں پھیلا دیا۔ کوئی عبادت نہیں کوئی مجاہدہ نہیں بجز کھانے **پینے اور بد نظریوں کے** اور کوئی بھی فکر نہیں پھر زہر پر زہر یہ کہ ایک جھوٹے کفارہ کی امید دے کر گناہوں پر دلیر کر دیا۔ کون عقلمند اس بات کو باور کرے گا کہ زید کو مسہل دیا جائے اور بکر کے زہریلے مواد اس سے نکل جائیں۔ بدی حقیقی طور پر تبھی دور ہوتی ہے کہ جب نیکی اس کی جگہ لے۔ یہی قرآنی تعلیم ہے کسی کی خودکشی سے دوسرے کو کیا فائدہ۔ کس قدر یہ نادانی کا خیال اور قانون قدیم کے

مخالف ہے۔ جو آپ کے یسوع صاحب سے ظہور میں آیا۔ کیا اس کے روٹی کھانے سے حواریوں کا پیٹ بھر جاتا تھا۔ پھر کیونکر اس کی خودکشی دوسرے کو مفید ہو سکتی ہے۔ انجیل کی ساری تعلیم ایسی گندی اور ناقص ہے کہ حرف حرف پر سخت اعتراض ہے۔ اور اس کے مؤلف کو خبر ہی نہیں کہ تقویٰ کس کو کہتے ہیں۔ اور گناہ کے باریک مراتب کیا ہیں بیچارہ بچوں کی طرح باتیں کرتا ہے۔ افسوس کہ اس وقت ہمیں فرصت نہیں کہ ان تمام یسوع کی باتوں کی قلعی کھولیں۔ انشاء اللہ تعالےٰ دوسرے وقت میں دکھائیں گے اور ثابت کریں گے کہ یہ شخص بالکل تقویٰ کے طرق سے ناواقف ہے۔ اور اس کی تعلیم انسانی درخت کے کسی شعبہ کی بھی آب پاشی نہیں کر سکتی۔ جانتا ہی نہیں کہ انسان کن کن قوتوں کے ساتھ اس مسافر خانہ میں بھیجا گیا ہے۔ اور اسے خبر ہی نہیں کہ خدا تعالےٰ کا یہ مقصود نہیں کہ ان تمام قوتوں کو زائل کر دیوے۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ ان کو خط اعتدال پر چلا دے۔ پس ایسی ناقص تعلیم کو قرآن شریف کے سامنے پیش کرنا سخت ہٹ دھرمی اور نابینائی اور بے شرمی ہے ۔

اور آپ کا یہ کہنا کہ حضرت مقدس نبوی کی تعلیم یہ ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنے سے گناہ دُور ہو جاتے ہیں۔ یہ بالکل سچ ہے اور یہی واقعی حقیقت ہے کہ جو محض خدا کو واحد لاشریک جانتا ہے اور ایمان لاتا ہے کہ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو اسی قادر یکتا نے بھیجا ہے۔ تو بے شک اگر اس کلمہ پر اس کا خاتمہ ہو تو نجات پا جائے گا آسمانوں کے نیچے کسی کی خودکشی سے نجات نہیں ہرگز نہیں۔ اور اس سے زیادہ کون پاگل ہوگا کہ ایسا خیال بھی کرے۔ مگر خدا کو واحد لاشریک

سمجھتا اور ایسا مہربان خیال کرتا کہ اس نے نہایت رحم کر کے دنیا کو ضلالت سے چھڑانے کے لئے اپنا رسول بھیجا جس کا نام محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ یہ ایک ایسا اعتقاد ہے کہ اس پر یقین کرنے سے رُوح کی تاریکی دُور ہوتی ہے۔ اور نفسانیت دور ہو کر اس کی جگہ توحید لے لیتی ہے آخر توحید کا زبردست جوش تمام دل پر محیط ہو کر اسی جہان میں بہشتی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ جیسا تم دیکھتے ہو کہ نور کے آنے سے ظلمت قائم نہیں رہ سکتی۔ ایسا ہی جب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا نورانی پرتوہ دل پر پڑتا ہے۔ تو نفسانی ظلمت کے جذبات کالمعدوم ہو جاتے ہیں۔ گناہ کی حقیقت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ سرکشی کی ملونی سے نفسانی جذبات کا شور و غوغا ہو۔ جس کی متابعت کی حالت میں ایک شخص کا نام گناہ گار رکھا جاتا ہے اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی جو لغت عرب کے موارد استعمال سے معلوم ہوتے ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ لَا مَطْلُوْبَ لِیْ وَلَا مَحْبُوْبَ لِیْ وَلَا مَعْبُوْدَ لِیْ وَلَا مُطَاعَ لِیْ اِلَّا اللّٰہُ یعنی بجز اللہ کے اور کوئی میرا مطلوب نہیں۔ اور محبوب نہیں اور معبود نہیں اور مطاع نہیں اب ظاہر ہے کہ یہ معنی گناہ کی حقیقت اور گناہ کے اصل منبع سے بالکل مخالف پڑے ہیں۔ پس جو شخص ان معنی کو خلوص دل کے ساتھ اپنی جان میں جگہ دے گا تو بالضرورت مفہوم مخالف اس کے دل سے نکل جائے گا۔ کیونکہ ضدّین ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں پس جب نفسانی جذبات نکل گئے تو یہی وہ حالت ہے۔ جس کو سچی پاکیزگی اور حقیقی راستبازی کہتے ہیں اور خدا کے بھیجے ہوئے پر ایمان لانا جو دوسرے جز کلمہ کا مفہوم ہے۔ اس کی ضرورت یہ ہے کہ تا خدا کے کلام پر بھی ایمان حاصل ہو جائے کیونکہ جو شخص یہ اقرار کرتا

ہے۔ میں خدا کا فرمانبردار بننا چاہتا ہوں۔ اُس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے فرمانوں پر ایمان بھی لاوے۔ اور فرمان پر ایمان لانا بجز اس کے ممکن نہیں کہ اس پر ایمان لاوے جس کے ذریعہ سے دنیا میں فرمان آیا پس یہ حقیقت کلمہ کی ہے۔ اور آپ کے یسُوع صاحب نے بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور یہی مدار نجات ٹھیرایا ہے۔ کہ خدا پر اور اس کے بھیجے ہوئے یسُوع پر ایمان لایا جائے۔ مگر چونکہ آپ لوگ اندھے ہیں۔ اس لئے جوش تعصب سے انجیل کی باتیں بھی آپ کو نظر نہیں آتیں۔

اور آپ کا یہ کہنا کہ وضو کرنے سے گناہ کیونکر دُور ہو سکتے ہیں۔ اے نادان ! الٰہی نوشتوں پر کیوں غور نہیں کرتا۔ کیا انسان ہونے کے بعد پھر حیوان بن گیا۔ وضو کرنا تو صرف ہاتھ پیر اور منہ دھونا ہے۔ اگر شریعت کا یہی مطلب ہوتا کہ ہاتھ پیر دھونے سے گناہ دور ہو جاتے ہیں۔ تو یہ پاک شریعت ان تمام پلید قوموں کو جو اسلام سے سرکش ہیں۔ ہاتھ منہ دھونے کے وقت گناہ سے پاک جانتی کیونکہ وضو سے گناہ دور ہو جاتے ہیں مگر شارع علیہ السلام کا یہ مطلب نہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ کے چھوٹے چھوٹے حکم بھی ضائع نہیں جاتے اور ان کے بجالانے سے بھی گناہ دُور ہوتے ہیں۔ اگر میں اس وقت الزامی جواب دُوں تو کئی جز لکھ کر منکر کا منہ کالا کروں مگر وقت تنگ ہے۔ اور ابھی چند سوال باقی ہیں۔ ذرا میری اس تحریر پر کچھ لکھو۔ پھر تمہاری ہی کتابوں سے تمہیں عمدہ انعام دیا جائے گا تسلی رکھو۔ آپ جھوٹ سے کیونکر متنفر ہو گئے کیا انجیل کا جھوٹ یاد نہ رہا۔ کیا یہ سچ ہے۔ کہ یسوع صاحب کو سر دھرنے کے لئے جگہ نہیں ملتی تھی کیا یہ واقعی امر ہے کہ اگر یسوع کے تمام کام لکھے جاتے۔ تو

وہ گناہیں دنیا میں سمانہ سکتیں۔ اب کہو کہ دروغ گوئی میں انجیل کو کمال ہے یا کچھ کسر رہ گئی۔ یہ بھی یاد رہے کہ قرآن شریف میں گناہ کو ہلکا نہیں سمجھا گیا۔ بلکہ بار بار بتلایا گیا ہے کہ کسی کو بجز اس کے نجات نہیں کہ گناہ سے سچی نفرت پیدا کرے مگر انجیل نے سچی نفرت کی تعلیم نہیں دی۔ انجیل نے ہرگز اس بات پر زور نہیں دیا کہ گناہ ہلاک کرنے والا زہر ہے۔ اس کے عوض اپنے اندر کوئی تریاق پیدا کرو۔ بلکہ اس محرف انجیل نے نیکیوں کا عوض یسوع کی خودکشی کو کافی سمجھ لیا ہے مگر یہ کیسی بیہودہ اور بھول کی بات ہے کہ حقیقی نیکی کے حاصل کرنے کی طرف توجہ نہیں بلکہ انجیل کی یہی تعلیم ہے کہ عیسائی بنو اور جو چاہو کرو۔ کفارہ ناقص ذریعہ نہیں ہے۔ نہ کسی عمل کی حاجت ہو۔ اب دیکھو اس سے زیادہ بدی پھیلنے کا ذریعہ کوئی اور بھی ہو سکتا ہے۔ قرآن شریف تو فرماتا ہے۔ کہ جب تک تم اپنے تئیں پاک نہ کرو۔ اس پاک گھر میں داخل نہ ہو گے۔ اور انجیل کہتی ہے کہ ہر یک بدکاری کرتے رہے لئے یسوع کی خودکشی کافی ہے۔ اب کس نے گناہ کو ہلکا سمجھا۔ قرآن نے یا انجیل نے قرآن کا خدا ہرگز کسی کو نیک نہیں ٹھیراتا جب تک بدی کی جگہ نیکی نہ آجائے مگر انجیل نے اندھیر مچا دیا ہے۔ کفارہ سے تمام نیکی اور راستبازی کے حکموں کو ہلکا اور ہیچ کر دیا۔ اور اب عیسائی کے لئے ان کی ضرورت نہیں۔ حیف صد حیف۔ افسوس صد افسوس۔

دوسرا سوال آپ کا یہ ہے کہ بہشت کی تعلیم محض نفسانی ہے جس سے ایک خدا رسیدہ شخص کو کچھ تسلی نہیں ہو سکتی۔ اما الجواب۔ پس واضح ہو کہ یہ بات نہایت بدیہی اور عند العقل مسلّم اور قرین انصاف ہے

کہ جیسا کہ انسان دنیا میں ارتکاب جرائم یا کسب خیرات اور اعمال صالحہ کے وقت صرف روح سے ہی کوئی کام نہیں کرتا بلکہ روح اور جسم دونوں سے کرتا ہے۔ ایسا ہی جزا اور سزا کا اثر بھی دونوں پر ہی ہونا چاہیئے۔ یعنی جان اور جسم دونوں کو اپنی اپنی حالت کے مناسب پاداش اخروی سے حصہ ملنا چاہیئے۔ لیکن عیسائی صاحبوں پر سخت تعجب ہے کہ سزا کی حالت میں تو اس اصول کو انہوں نے قبول کر لیا ہے۔ اور وہ تسلیم کرتے ہیں کہ جن لوگوں نے بدکاریاں اور بے ایمانیاں کر کے خدا کو ناراض کیا ان کو جو سزا دی جائے گی وہ صرف روح تک محدود نہیں۔ بلکہ روح اور جسم دونوں کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اور گندھک کی آگ سے جسم جلائے جائینگے اور وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا۔ اور وہ پیاس سے جلیں گے اور ان کو پانی نہیں ملے گا۔ اور جب حضرات عیسائیوں سے پوچھا جائے کہ جسم کیوں آگ میں جلایا جائے گا تو اس کا جواب دیتے ہیں کہ بھائی روح اور جسم دونوں مزدور کی طرح دنیا میں کام کرتے تھے۔ پس جبکہ دونوں نے اپنے آقا کے کام میں مل کر خیانت کی۔ تو وہ دونوں سزا کے لائق ٹھہرے پس اے اندھو اور خدا کے نوشتوں پر غور کرتے ہیں غافلو۔ نہیں تمہاری ہی بات سے ملزم کرتا ہوں کہ وہ خدا جس کا رحم اس کے غضب پر غالب ہے۔ جب اس نے سزا دینے کے وقت جسم کو خالی نہ چھوڑا تو کیا ضرور نہ تھا کہ وہ جزا کے وقت بھی اس اصول کو یاد رکھتا کیا لائق ہے کہ ہم اس رحیم خدا پر یہ بدگمانی کریں کہ وہ سزا دینے کے وقت تو ایسا غضبناک ہوگا کہ ہمارے جسموں کو بھی جلتے ہوئے تنور میں ڈالے گا۔ لیکن جزا دینے کے وقت اس کا رحم اس درجہ پر نہیں ہوگا۔ جس درجہ پر

سزا کی حالت میں اس کا غضب ہو گا۔ اگر جسم کو سزا سے الگ رکھتا تو بے شک جزا سے بھی اس کو الگ رکھتا۔ مگر جبکہ اس نے سزا کے وقت جسم کو گناہ کا شریک سمجھ کر جلتی ہوئی آگ میں ڈال دیا۔ تو اے اندھو! اور کوتاہ اندیشو! کیا وہ ایمان اور عمل صالح کی شراکت کے وقت جسم کو جزا سے حصہ نہیں دے گا کیا جب مردے جی اٹھیں گے تو بہشتیوں کو عبث طور پر ہی جسم ملے گا۔

اور یہ بھی بدیہی بات ہے کہ جب جسم اپنے تمام قویٰ کے ساتھ روح سے پیوند کیا جائے گا۔ تو وہ جسمانی قویٰ یا راحت میں ہوں گے یا رنج میں۔ کیونکہ دونوں حالتوں کا مرتفع ہونا محال ہے۔ پس اس صورت میں ماننا پڑا کہ جیسا جسم سزا کی حالت میں دکھ اٹھائے گا۔ ویسا ہی وہ جزا کی حالت میں ایک قسم کی راحت سے بھی ضرور متمتع ہوگا۔ اور اسی راحت کی قرآن کریم میں تفصیل ہے۔ ہاں خدا تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ بہشت کی نعمتیں فوق الفہم ہیں۔ تمہیں ان کا حقیقی علم نہیں دیا گیا اور تم وہ نعمتیں پاؤ گے۔ جو اب تم سے پوشیدہ ہیں۔ جو نہ دنیا میں کسی نے دیکھیں اور نہ سنیں۔ اور نہ دلوں میں گذریں۔ وہ تمام مخفی امور اسی وقت سمجھ میں آئیں گی۔ جب وارد ہوں گی۔ جو کچھ قرآن اور حدیث میں وعدے ہیں وہ سب مثال کے طور پر بیان کیا ہے اور ساتھ اس کے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ وہ امور مخفی ہیں جن کی کسی کو اطلاع نہیں پس اگر وہ لذات اسی قدر ہوں۔ جیسے اس دنیا میں شربت یا شراب پینے کی لذت یا عورت کے جماع کی لذت ہوتی ہے۔ تو خدا تعالیٰ یہ نہ کہتا کہ وہ ایسے امور ہیں کہ جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے۔ اور نہ کسی کان نے سنے۔ اور نہ وہ کبھی کسی کے دل میں گذرے۔ پس ہم مسلمان لوگ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ بہشت

جو جسم اور روح کے لئے دار الجزا ہے۔ وہ ایک ادھورا اور ناقص دار الجزا نہیں بلکہ اس میں جسم اور جان دونوں کو اپنی اپنی حالت کے موافق جزا ملے گی جیسا کہ جہنم میں اپنی اپنی حالت کے موافق دونوں کو سزا دی جائے گی۔ اور اس کی اصل تفصیلات ہم خدا کے حوالے کرتے ہیں اور ایمان رکھتے ہیں کہ جزا سزا جسمانی روحانی دونوں طور پر ہوں گی۔ اور یہی وہ عقیدہ ہے جو عقل اور انصاف کے موافق ہے۔ اور یہ نہایت شرارت اور خباثت اور حرامزدگی ہے کہ قرآن پر یہ طعن وارد کیا جائے۔ کہ وہ صرف جسمانی بہشت کا وعدہ کرتا ہے قرآن تو صاف کہتا ہے کہ ہر یک جو بہشت میں داخل ہوگا وہ جسمانی روحانی دونوں قسم کی جزا پائے گا۔ اور جیسا کہ نعمت جسمانی اس کو ملے گی۔ ایسا ہی وہ دیدار الٰہی سے لذت اٹھائے گا۔ اور یہی اعلیٰ لذت بہشت میں ہے معارف کی لذت بھی ہوگی اور طرح طرح کے انوار کی لذت بھی ہوگی۔ اور عبادت کی لذت بھی ہوگی مگر اس کے ساتھ جسم بھی اپنی سعادت تامہ کو پہنچے گا ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ جس قدر قرآن نے بہشتیوں کی روحانی جزا کی کیفیت لکھی ہے انجیل میں ہرگز نہیں جس شخص کو شک ہو۔ ہمارے مقابل پر آئے اور ہم سے سُنے اور انجیل کی تعلیم سناوے۔ اگر وہ غالب ہوا اور اس نے ثابت کیا کہ انجیل میں بہشتیوں کی روحانی جزا قرآن سے بڑھ کر لکھی ہے تو ہم حلفاً کہتے ہیں کہ اسی وقت ہزار روپیہ نقد اس کو دیا جائے گا۔ جس جگہ چاہے باضابطہ تحریر دے کر جمع کرالے۔

اے اندھو! قرآن کے مقابل پر انجیل کچھ بھی چیز نہیں۔ کیوں تمہاری شامت آگئی ہے۔ گھروں میں آرام کر کے بیٹھو۔ اب تمہاری رسوائی کا وقت آگیا ہے۔ کیا تم میں کسی کو

حوصلہ ہے کہ آرام سے آدمی بن کر مجھ سے آکر بحث کر لے۔ کہ بہشت کے بارے
میں روحانی جزا کا بیان انجیل میں زیادہ ہے یا قرآن میں۔ اور اگر انجیل
میں زیادہ نکلا تو مجھ سے نقد ہزار روپیہ لے لے۔ جہاں چاہیے جمع کرا لے مجھے
امید نہیں کہ کوئی **میرے سامنے آوے**۔ اللہ اللہ کیسی یہ قوم ظالم اور
دغاباز ہے۔ جنہوں نے دنیا کی زندگی کے لئے آخرت کو بھلا دیا ہے۔ مگر
ذرہ موت کا پیالہ پی لیں۔ پھر دیکھیں گے کہ کہاں ہے یسوع اور اس کا
کفارہ ہائے افسوس ان لوگوں نے **ایک عاجز انسان اور عاجزہ**
کے بیٹے کو خدا بنا دیا اور خدائے قدوس پر تمام نالائق
باتیں روا رکھیں۔ دنیا میں ایک ہی آیا۔ جو سچی اور کامل توحید کو لایا۔ اس سے
انہوں نے دشمنی کی ٭

اور یہ بھی سراسر جھوٹ ہے کہ انجیل میں جسمانی جزا
کی طرف کوئی اشارہ نہیں۔ دیکھو متی کیسی تفصیل سے یسوع کا قول
جسمانی جزا کے بارے میں بیان کرتا ہے اور وہ یہ ہے:۔ ۲۹۔ اور جس نے
گھر یا بھائی یا بہن یا باپ یا جورو یا بال بچوں یا زمین کو میرے نام پر چھوڑا
سو گنا پاوے گا۔ ۱۹ باب آیت ۲۹۔ دیکھو یہ کیسا صریح حکم ہے اس میں تو
یہ بھی بشارت ہے کہ اگر عیسائی عورت یسوع کے لئے خاوند چھوڑے
تو قیامت کو اسے سو خاوند ملیں گے۔ اور اگر جسمانی نعمتوں کا وعدہ کرنا خدا
تعالیٰ کی شان کے مخالف ہوتا تو توریت خروج ۳ باب ۸ آیت استثنار
۷ باب ۳ آیت ،، ۷ باب ۱۳ آیت ،، ۸ باب ۷، ۱۱ آیت اور قاضی ۹ باب
۱۲ آیت اور استثنار ۳۲ باب ۱۴ آیت ،، استثنار ۱۶ باب ۲۰ آیت اور
احبار ۲۶ باب ۳ آیت ،، احبار ۲۵ باب ۱۰ ایوب ۲۰ باب ۱۵ آیت میں ہرگز

جسمانی نعمتوں کے وعدے نہ دیئے جاتے۔ کیا یسوع نے یہ نہیں کہا کہ میں بہشت میں شیرۂ انگور پیوں گا۔ عجیب یسوع ہے جو مسلمانوں کی بہشت میں داخل ہونے کی تمنا رکھتا ہے جس میں جسمانی نعمتیں بھی ہیں۔ اور پھر عجیب تر یہ کہ جسمانی نعمتوں پر ہی گرا۔ دیدار الٰہی کا ذکر نہیں کیا۔ لعازر سے پانی مانگنا بھی ذرہ یاد کرو۔ جس بہشت میں پانی نہیں۔ اس میں پانی کا ذکر مصداق اس مثل کا ہے کہ دروغ گو را حافظہ نباشد۔ یہ سچ ہے کہ بہشت میں رہنے والے فرشتوں کی طرح ہو جائیں گے مگر یہ کہاں ثابت ہے کہ تبدیل خواص کر کے فی الحقیقت فرشتے ہی ہو جائیں گے* اور انسانی خواص چھوڑ دیں گے۔

ہاں یہ درست ہے کہ بہشت میں دنیا کی طرح نکاح نہیں ہوتے۔ مگر بہشتی طور پر جسمانی لذات تو ہوں گے۔ جیسے یسوع کو بھی انکار نہیں تھا۔ شیرۂ انگور پینے کی امید کرتا گذر گیا۔ توریت سے ثابت ہے کہ جسمانی جزا بھی خدا کی عادت ہے۔ تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ وہ غیر متبدل خدا قیامت کو بھی اپنی عادتیں بدل ڈالے۔

تیسرا اعتراض آپ کا یہ ہے کہ اسلامی تعلیم میں ہے کہ جب تک کوئی کسی گناہ کا مرتکب نہ ہو جائے تب تک ایسے شخص سے مواخذہ نہ ہو گا اور محض دلی خیالوں پر خدا پرسش نہیں کریگا۔ مگر انجیل میں اس کے خلاف ہے۔ یعنی دلی خیالات پر بھی عذاب ہو گا۔ اما الجواب پس واضح ہو کہ اگر انجیل میں ایسا ہی لکھا ہے۔ تو ایسی انجیل ہرگز خدا تعالیٰ

* نوٹ۔ درحقیقت فرشتے بن جانا اور بات ہے۔ گو پاکیزگی میں اُن سے مشابہت پیدا کرنا یہ اور بات ہے۔ منہ

کی طرف سے نہیں ہے اور حق بات یہی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمائی ہے۔ کہ انسان کے دل کے تخیلات جو بے اختیار اٹھتے رہتے ہیں اس کو گنہگار نہیں کرتے۔ بلکہ عند اللہ مجرم ٹھہر جانے کی تین ہی قسم ہیں (۱) اوّل یہ کہ زبان پر ناپاک کلمے جو دین اور راستی اور انصاف کے برخلاف ہوں جاری ہوں (۲) دوسرے یہ کہ جوارح یعنی ظاہری اعضاء سے نافرمانی کے حرکات صادر ہوں (۳) تیسرے یہ کہ دل نافرمانی پر عزیمت کرے۔ یعنی پختہ ارادہ کرے کہ فلاں فعل بد ضرور کروں گا۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ[1] یعنی جن گناہوں کو دل اپنی عزیمت سے حاصل کرے ان گناہوں کا مواخذہ ہوگا۔ مگر مجرد خطرات پر مواخذہ نہیں ہوگا کہ وہ انسانی فطرت کے قبضہ میں نہیں ہیں۔ خدائے رحیم ہمیں ان خیالات پر نہیں پکڑتا جو ہمارے اختیار سے باہر ہیں۔ ہاں اس وقت پکڑتا ہے کہ جب ہم ان خیالات کی زبان سے یا ہاتھ سے یا دل کی عزیمت سے پیروی کریں۔ بلکہ بعض وقت ہم ان خیالات سے ثواب حاصل کرتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے صرف قرآن کریم میں ہاتھ پیر کے گناہوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ کان اور آنکھ اور دل کے گناہوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ وہ اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے: اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا[2] یعنی کان اور آنکھ اور دل جو ہیں ان سب سے باز پرس کی جائے گی۔ اب دیکھو جیسا کہ خدا تعالیٰ نے کان اور آنکھ کے گناہ کا ذکر کیا ایسا ہی دل کے گناہ کا بھی ذکر کیا۔ مگر دل کا گناہ خطرات اور خیالات نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ تو دل کے بس میں نہیں ہیں

[1] البقرۃ: ۲۲۶ [2] بنی اسرائیل: ۳۷

بلکہ دل کا گناہ پختہ ارادہ کر لینا ہے۔ صرف ایسے خیالات جو انسان کے اپنے اختیار میں نہیں گناہ میں داخل نہیں۔ ہاں اس وقت داخل ہو جائیں گے جب ان پر عزیمت کرے۔ اور ان کے ارتکاب کا ارادہ کر لیوے۔ ایسا ہی اللہ جل شانہ اندرونی گناہوں کے بارے میں ایک اور جگہ فرماتا ہے: قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ[1] یعنی خدا نے ظاہری اور اندرونی گناہ دونوں حرام کر دیئے۔ اب میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ یہ عمدہ تعلیم بھی انجیل میں موجود نہیں کیونکہ تمام عضووں کے گناہ کا ذکر کیا ہو اور عزیمت اور خطرات میں فرق کیا ہو اور ممکن نہ تھا کہ انجیل میں یہ تعلیم ہو سکتی کیونکہ یہ تعلیم نہایت لطیف اور حکیمانہ اصولوں پر مبنی ہے۔ اور انجیل تو ایک موٹے خیالات کا مجموعہ ہے جس سے اب ہر یک محقق نفرت کرتا جاتا ہے۔ ہاں آپ کے یسوع صاحب نے پردہ پوشی کے لئے یہ خوب تدبیر کی۔ کہ لوگوں کو باتوں باتوں میں سمجھا دیا کہ میری تعلیم کچھ اچھی نہیں۔ آیندہ اس پر مضحکہ ہوگا بہتر ہے کہ تم ایک اور آنے والے کا انتظار کرو۔ جس کی تعلیم معارف کے تمام مراتب کو پورا کرے گی۔ مگر فنا باتش اے پادری صاحبان آپ نے اس وصیت پر خوب ہی عمل کیا۔ جس تعلیم کو خود آپ کے یسوع صاحب بھی قابل اعتراض ٹھیراتے ہیں۔ اور ایک آیندہ آنے والے نبی مقدس کی خوشخبری دیتے ہیں۔ اسی ادھوری تعلیم پر آپ

نوٹ: ثواب اس وقت حاصل کرتے ہیں۔ جب ہم دلی خیالات کا جو معصیت کی رغبت دیتے ہیں۔ اعمال صالحہ کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں اور ان خیالات کے برعکس عمل میں لاتے ہیں ۔ منہ

[1] الاعراف: ۳۴

گرے جاتے ہیں۔ بھلا بتلاؤ تو سہی کہ آپ کے یسوع کی تعلیم خود اس کے اقرار سے ناقص ٹھیری یا ابھی کچھ کسر رہ گئی۔ پھر جبکہ یسوع خود معترف ہے کہ میری تعلیم ادھوری اور نکمی ہے۔ تو پھر اپنے گرو کی پیشگوئی کو ذہن میں رکھ کر اسلامی تعلیم کی خوبیاں ہم سے سنو۔ اور اپنے یسوع کو جھوٹا مت ٹھیراؤ۔ کیونکہ جب تک ایسا نبی دنیا میں ظہور نہ کرے جس کی تعلیم انجیل کی تعلیم سے اکمل اور اعلیٰ ہو تب تک یسوع کی پیشگوئی باطل کے رنگ میں ہے۔ مگر وہ مقدس نبی تو آچکا۔ اور تم نے اس کو شناخت نہیں کیا ہماری تحریروں پر غور کرو۔ تا تمہیں معلوم ہو کہ وہ کامل تعلیم جس کی مسیح کو انتظار تھی۔ قرآن ہے۔ اور اگر یہ پیشگوئی نہ ہوتی تب بھی قرآن کا کامل اور انجیل کا ناقص ہونا خدا کی حجت کو پوری کرتا تھا سو جہنم کی آگ سے ڈرو اور اس آنے والے نبی کو مان لو جس کی نسبت مسیح نے بشارت دی۔ اور اس کی کامل تعلیم کی تعریف کی مگر پھر بھی آپ کے یسوع کا اس میں کچھ احسان نہیں کیونکہ خود زور آور نے کمزور کو گرا دیا۔ اب صرف سمجھ کا گھاٹا ہے۔ ورنہ اب انجیل کو قدم رکھنے کی جگہ نہیں۔

(۴) چوتھا اعتراض یہ ہے کہ اسلامی تعلیم میں غیر مذہب والوں سے محبت کرنا کسی جگہ حکم نہیں آیا۔ بلکہ حکم ہے۔ کہ بجز مسلمان کے کسی سے محبت نہ کرو۔ اما الجواب: پس واضح ہو کہ یہ تمام ناقص اور ادھوری انجیل کی نحوستیں ہیں کہ عیسائی لوگ حق اور حقیقت سے دور جا پڑے۔ ورنہ اگر ایک گہری نظر سے دیکھا جائے کہ محبت کیا چیز ہے اور کس کس محل پر اس کو استعمال کرنا چاہیئے۔ اور بغض کیا چیز ہے اور

کن کن مقامات میں برتنا چاہیئے۔ تو فرقان کریم کا سچا فلسفہ نہ صرف سمجھ میں ہی آتا ہے۔ بلکہ روح کو اُس سے معارف حقّہ کی ایک کامل روشنی ملتی ہے۔

اب جاننا چاہیئے کہ محبّت کوئی تصنع اور تکلف کا کام نہیں بلکہ انسانی قویٰ میں سے یہ بھی ایک قوت ہے۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے۔ کہ دل کا ایک چیز کو پسند کر کے اس کی طرف کھینچے جانا اور جیسا کہ ہریک چیز کے اصل خواص اس کے کمال کے وقت بدیہی طور پر محسوس ہوتے ہیں یہی محبت کا حال ہے۔ کہ اس کے جوہر بھی اُس وقت کھلے کھلے ظاہر ہوتے ہیں۔ کہ جب اتم اور اکمل درجہ پر پہنچ جائے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے: اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْعِجْلَ[1] یعنی انہوں نے گوسالہ سے ایسی محبت کی تو گویا اُن کو گوسالہ شربت کی طرح پلا دیا گیا۔ درحقیقت جو شخص کسی سے کامل محبت کرتا ہے۔ تو گویا اُسے پی لیتا ہے یا کھا لیتا ہے اور اس کے اخلاق اور اس کے چال چلن کے ساتھ رنگین ہو جاتا ہے اور جس قدر زیادہ محبت ہوتی ہے۔ اسی قدر انسان بالطبع اپنے محبوب کی صفات کی طرف کھینچا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اسی کا روپ ہو جاتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ یہی بھید ہے کہ جو شخص خدا سے محبت کرتا ہے۔ وہ ظلّی طور پر بقدر اپنی استعداد کے اس نور کو حاصل کر لیتا ہے۔ جو خدا تعالےٰ کی ذات میں ہے۔ اور شیطان سے محبت کرنے والے وہ تاریکی حاصل کر لیتے ہیں۔ جو شیطان میں ہے پس جبکہ محبت کی حقیقت یہ ہے۔ تو پھر کیونکر ایک سچی کتاب جو منجانب اللہ ہے۔ اجازت دے سکتی ہے۔ کہ تم شیطان سے وہ محبت کرو جو خدا سے

[1] البقرۃ : ۹۴

کرنی چاہیئے اور شیطان کے جانشینوں سے وہ پیار کر جو رحمٰن کے جانشینوں سے کرنا چاہیئے۔ افسوس کہ پہلے تو انجیل کے باطل ہونے پر ہمارے پاس یہی ایک دلیل تھی۔ کہ وہ ایک عاجز مشت خاک کو خدا بناتی ہے اب یہ دلائل بھی پیدا ہوگئیں کہ اس کی دوسری تعلیمیں بھی گندی ہیں کیا یہ پاک تعلیم ہوسکتی ہے کہ شیطان سے ایسی ہی محبت کرو جیسا کہ خدا سے اور اگر یہ عذر کیا جائے کہ یسوع کے مُنہ سے سہواً یہ باتیں نکل گئیں کیونکہ وہ الٰہیات کے فلسفہ سے ناواقف تھا تو یہ عذر نکما اور فضول ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ ایسا ہی ناواقف تھا۔ تو کیوں اس نے قوم کے مصلح ہونے کا دعویٰ کیا۔ کیا وہ بچہ تھا اُسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ محبت کی حقیقت بالالتزام اس بات کو چاہتی ہے کہ انسان سچے دل سے اپنے محبوب کے تمام شمائل اور اخلاق اور عبادات پسند کرے اور ان میں فنا ہونے کے لئے بدل و جان ساعی ہو تا اپنے محبوب میں ہو کر وہ زندگی پاوے جو محبوب کو حاصل ہے سچی محبت کرنے والا اپنے محبوب میں فنا ہو جاتا ہے۔ اپنے محبوب کے گریبان سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور ایسی تصویر اس کی اپنے اندر کھینچتا ہے کہ گویا اسے پی جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ وہ اس میں ہو کر اور اس کے رنگ میں رنگین ہو کر اور اس کے ساتھ ہو کر لوگوں پر ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ درحقیقت اس کی محبت میں کھویا گیا ہے محبت ایک عربی لفظ ہے اور اصل معنی اس کے پُر ہو جانا ہے چنانچہ عرب میں یہ مثل مشہور ہے کہ تَحَبَّبَ الْحِمَارُ یعنی جب عربوں کو یہ کہنا منظور ہو جاتا ہے کہ گدھے کا پیٹ پانی سے بھر گیا۔ تو کہتے ہیں کہ

تَحَبَّبَ الْحِمَارُ ۔ اور جب یہ کہنا منظور ہوتا ہے کہ اونٹ نے اتنا پانی پیا کہ وہ پانی سے پُر ہو گیا تو کہتے ہیں شربت الابل حتّٰی تحببت اور حبّ جو دانہ کو کہتے ہیں وہ بھی اسی سے نکلا ہے جس سے یہ مطلب ہے کہ وہ پہلے دانہ کی تمام کیفیت سے بھر گیا اور اسی بنا پر اِحْبَاب سونے کو بھی کہتے ہیں کیونکہ جو دوسرے سے بھر جائے گا وہ اپنے وجود کو کھو دیگا گویا سو جائے گا اور اپنے وجود کی کچھ حس اس کو باقی نہیں رہے گی پھر جبکہ محبت کی یہ حقیقت ہے تو ایسی انجیل جس کی یہ تعلیم ہے کہ شیطان سے بھی محبت کرو اور شیطانی گروہ سے بھی پیار کرو۔ دوسرے لفظوں میں اس کا ماحصل یہی نکلا کہ ان کی بدکاری میں تم بھی شریک ہو جاؤ۔ خوب تعلیم ہے۔ ایسی تعلیم کیونکر خدا تعالےٰ کی طرف سے ہو سکتی ہے۔ بلکہ وہ تو انسان کو شیطان بنانا چاہتی ہے خدا انجیل کی اس تعلیم سے ہر ایک کو بچاوے ⁂

اگر یہ سوال ہو کہ جس حالت میں شیطان اور شیطانی رنگ دروپ والوں سے محبت کرنا حرام ہے۔ تو کس قسم کا خلق اُن سے برتنا چاہیئے تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کا پاک کلام قرآن شریف یہ ہدایت کرتا ہے کہ ان پر کمال درجہ کی شفقت چاہیئے جیسا کہ ایک رحیم دل آدمی جذامیوں اور اندھوں اور لولوں اور لنگڑوں وغیرہ دکھ والوں پر شفقت کرتا ہے اور شفقت اور محبت میں یہ فرق ہے کہ محب اپنے محبوب کے تمام قول اور فعل کو بنظر استحسان دیکھتا ہے اور رغبت رکھتا ہے کہ ایسے حالات اس میں بھی پیدا ہو جائیں مگر مشفق شخص مشفق علیہ کے حالات بنظر خوف و عبرت دیکھتا ہے اور اندیشہ کرتا ہے کہ شاید وہ شخص اس تباہ حال میں ہلاک نہ ہو جائے۔ اور حقیقی مشفق کی یہ علامت ہے کہ وہ شخص مشفق علیہ سے ہمیشہ نرمی سے

پیش نہیں آتا بلکہ اس کی نسبت محل اور موقعہ کے مناسب حال کارروائی کرتا ہے اور کبھی نرمی اور کبھی درشتی سے پیش آتا ہے بعض وقت اس کو شربت پلاتا ہے اور بعض اوقات ایک صادق ڈاکٹر کی طرح اس کا ہاتھ یا پیر کاٹنے میں اس کی زندگی دیکھتا ہے۔ اور بعض اوقات اس کے کسی عضو کو چیرتا ہے اور بعض اوقات مرہم لگاتا ہے۔ اگر تم ایک دن ایک بڑے شفاخانہ میں جہاں صدہا بیمار اور ہر یک قسم کے مریض آتے ہوں۔ بیٹھ کر ایک حاذق تجربہ کار ڈاکٹر کی کارروائیوں کو مشاہدہ کرو تو امید ہے کہ **مشفق** کے معنے تمہاری سمجھ میں آجائیں گے سو **تعلیم قرآنی** ہمیں یہی **سبق** دیتی ہے۔ کہ نیکوں اور ابرار اخیار سے محبت کرو۔ اور فاسقوں اور کافروں پر شفقت کرو۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ[1] یعنی اے کافرو یہ نبی ایسا مشفق ہے جو تمہارے رنج کو دیکھ نہیں سکتا اور نہایت درجہ خواہشمند ہے کہ تم ان بلاؤں سے نجات پا جاؤ پھر فرماتا ہے لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ[2] یعنے کیا تو اس غم سے ہلاک ہو جائے گا۔ کہ یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لاتے۔ مطلب یہ ہے کہ تیری شفقت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ تو ان کے غم میں ہلاک ہونے کے قریب ہے۔ اور پھر ایک مقام میں فرماتا ہے تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَۃِ[3] یعنی مومن وہی ہیں جو ایک دوسرے کو صبر اور مرحمت کی نصیحت کرتے ہیں یعنی یہ کہتے ہیں کہ شدائد پر صبر کرو اور خدا کے بندوں پر شفقت کرو۔ اس جگہ بھی مرحمت سے مراد شفقت ہے۔ کیونکہ مرحمت کا لفظ زبان عرب میں شفقت کے معنوں پر مستعمل ہے۔ پس **قرآنی تعلیم** کا اصل مطلب یہ ہے کہ محبت جس کی حقیقت محبوب کے رنگ سے رنگین ہو جاتا ہے بجز خدا تعالےٰ اور صلحاء کے

[1] التوبۃ: ۱۲۸ [2] الشعراء: ۴ [3] البلد: ۱۸

اور کسی سے جائز نہیں بلکہ سخت حرام ہے جیسا کہ فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ[1]۔ اور فرماتا ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ[2] اور پھر دوسرے مقام میں فرماتا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَۃً مِّنْ دُوْنِکُمْ[3] یعنی یہود اور نصاریٰ سے محبت مت کرو اور ہر ایک شخص جو صالح نہیں اس سے محبت مت کرو۔ ان آیتوں کو پڑھ کر **نادان عیسائی دھوکا کھاتے ہیں** کہ مسلمانوں کو حکم ہے کہ عیسائی وغیرہ بے دین فرقوں سے محبت نہ کریں لیکن نہیں سوچتے کہ ہر یک لفظ اپنے محل پر استعمال ہوتا ہے۔ جس چیز کا نام محبت ہے وہ فاسقوں اور کافروں سے اسی صورت میں بجالانا متصور ہے کہ جب ان کے کفر اور فسق سے کچھ حصہ لے لیوے **نہایت سخت جاہل وہ شخص ہوگا جس نے یہ تعلیم دی۔ کہ اپنے دین کے دشمنوں سے پیار کرو** ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ پیار اور محبت اسی کا نام ہے کہ اس شخص کے قول اور فعل اور عادت اور خلق اور مذہب کو رضا کے رنگ میں دیکھیں۔ اور اس پر خوش ہوں اور اس کا اثر اپنے دل پر ڈالیں اور ایسا ہونا مومن سے کافر کی نسبت ہرگز ممکن نہیں۔ ہاں مومن کافر پر شفقت کرے گا اور تمام دقائق ہمدردی بجالائے گا اور اس کی جسمانی اور روحانی بیماریوں کا غمگسار ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ بار بار فرماتا ہے کہ بغیر لحاظ مذہب ملت کے تم لوگوں سے ہمدردی کرو۔ بھوکوں کو کھلاؤ۔ غلاموں کو آزاد کرو۔ قرضداروں کے قرض دو۔ اور زیر باروں کے بار اٹھاؤ۔ اور بنی نوع سے سچی ہمدردی کا حق ادا کرو۔ اور فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی[4] یعنی خدا تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ عدل کرو اور عدل سے بڑھ کر یہ کہ **احسان** کرو۔ جیسے

[1] البقرۃ : ۱۶۶ [2] المائدۃ : ۵۲ [3] اٰل عمران : ۱۱۹ [4] النحل : ۹۱

بچہ سے اس کی والدہ یا کوئی اور شخص محض قرابت کے جوش سے کسی کی ہمدردی کرتا ہے اور پھر فرماتا ہے لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ [1] یعنی نصاریٰ وغیرہ سے جو خدا نے محبت کرنے سے ممانعت فرمائی۔ تو اس سے یہ نہ سمجھو کہ وہ نیکی اور احسان اور ہمدردی کرنے سے تمہیں منع کرتا ہے۔ نہیں بلکہ جن لوگوں نے تمہارے قتل کرنے کے لئے لڑائیاں نہیں کیں۔ اور تمہیں تمہارے وطنوں سے نہیں نکالا وہ اگرچہ عیسائی ہوں یا یہودی ہوں۔ بے شک ان پر احسان کرو ان سے ہمدردی کرو۔ انصاف کرو کہ خدا ایسے لوگوں سے پیار کرتا ہے اور پھر فرماتا ہے: اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ قَاتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ وَظٰھَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْھُمْ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ [2] یعنے خدا نے جو تمہیں ہمدردی اور دوستی سے منع کیا ہے تو صرف ان لوگوں کی نسبت جنہوں نے دینی لڑائیاں تم سے کیں اور تمہیں تمہارے وطنوں سے نکالا اور بس نہ کیا جب تک باہم مل کر تمہیں نکال نہ دیا۔ سو ان کی دوستی حرام ہے۔ کیونکہ یہ دین کو مٹانا چاہتے ہیں۔ اس جگہ یاد رکھنے کے لائق ایک نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تَوَلِّی ؎ عربی زبان میں دوستی کو کہتے ہیں جس کا دوسرا نام مودت ہے۔ اور اصل حقیقت دوستی اور مودت کی خیر خواہی اور ہمدردی ہے۔ سو مومن نصاریٰ اور یہود اور ہنود سے دوستی اور ہمدردی اور خیرخواہی

؎ نوٹ: تولّی کی تا اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تولّی میں ایک تکلف ہے جو مغایرت پر دلالت کرتا ہے مگر محبت میں ایک ذرہ مغایرت باقی نہیں رہتی۔ منہ

[1] الممتحنۃ: ۹ [2] الممتحنۃ: ۱۰

کر سکتا ہے۔ احسان کر سکتا ہے مگر ان سے محبت نہیں کر سکتا۔ یہ ایک باریک فرق ہے۔ اس کو خوب یاد رکھو۔

پھر آپ نے یہ اعتراض کیا ہے۔ کہ مسلمان لوگ خدا کے ساتھ بھی بلا غرض محبت نہیں کرتے۔ ان کو یہ تعلیم نہیں دی گئی کہ خدا اپنی خوبیوں کی وجہ سے محبت کے لائق ہے۔ اما الجواب پس واضح ہو کہ یہ اعتراض درحقیقت انجیل پر وارد ہوتا ہے نہ قرآن پر کیونکہ انجیل میں یہ تعلیم ہرگز موجود نہیں کہ خدا سے محبت ذاتی رکھنی چاہیئے اور محبت ذاتی سے اس کی عبادت کرنی چاہیئے۔ مگر قرآن تو اس تعلیم سے بھرا پڑا ہے۔ قرآن نے صاف فرما دیا ہے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا[۱] وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ[۲] یعنی خدا کو ایسا یاد کرو۔ جیسا کہ اپنے باپوں کو بلکہ اس سے بہت زیادہ۔ اور مومنوں کی یہی شان ہے کہ وہ سب سے بڑھ کر خدا سے محبت رکھتے ہیں یعنی ایسی محبت نہ وہ اپنے باپ سے کریں اور نہ اپنی ماں سے اور نہ اپنے دوسرے پیاروں سے۔ اور نہ اپنی جان سے۔ اور پھر فرمایا: حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ[۳] یعنی خدا نے تمہارا محبوب ایمان کو بنا دیا۔ اور اس کو تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا اور پھر فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى[۴]۔ یہ آیت حق اللہ اور حق العباد پر مشتمل ہے اور اس میں کمال بلاغت یہ ہے۔ کہ دونوں پہلو پر اللہ تعالیٰ نے اس کو قائم کیا ہے۔ حق العباد کا پہلو تو ہم ذکر

☆ نوٹ: انجیل کی رو سے ہر ایک فاسق فاجر خدا کا بیٹا ہے۔ بلکہ آپ ہی خدا ہے۔ سو انجیل اس وجہ سے کسی کو خدا کا بیٹا قرار نہیں دیتی۔ کہ وہ خدا سے کامل محبت رکھتا ہے۔ بلکہ بائبل کی رو سے نالائق لوگ بھی خدا کے بیٹے اور بیٹیاں ہیں۔ منہ

[۱] البقرۃ: ۲۰۱ [۲] البقرۃ: ۱۶۶ [۳] الحجرات: ۸ [۴] النحل: ۹۱

کر چکے ہیں۔ اور حق اللہ کے پہلو کی رُو سے اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ **انصاف کی پابندی سے خدا تعالیٰ کی اطاعت کر** کیونکہ جس نے تجھے پیدا کیا اور تیری پرورش کی اور ہر وقت کر رہا ہے۔ اس کا حق ہے کہ تو بھی اس کی اطاعت کرے۔ اور اگر اس سے زیادہ تجھے بصیرت ہو تو نہ صرف رعایت حق سے بلکہ احسان کی پابندی سے اس کی اطاعت کر کیونکہ وہ محسن ہے اور اس کے احسان اس قدر ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے۔ اور ظاہر ہے کہ عدل کے درجہ سے بڑھ کر وہ درجہ ہے جس میں اطاعت کے وقت احسان بھی ملحوظ رہے۔ اور چونکہ ہر وقت مطالعہ اور ملاحظہ احسان کا محسن کی شکل اور شمائل کو ہمیشہ نظر کے سامنے لے آتا ہے۔ اس لئے احسان کی تعریف میں یہ بات داخل ہے کہ ایسے طور سے عبادت کرے کہ گویا خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے درحقیقت **تین قسم** پر منقسم ہیں۔ اول وہ لوگ جو باعث محجوبیت اور رویت اسباب کے احسان الٰہی کا اچھی طرح ملاحظہ نہیں کرتے اور نہ وہ جوش ان میں پیدا ہوتا ہے جو احسان کی عظمتوں پر نظر ڈال کر پیدا ہوا کرتا ہے اور نہ وہ محبت ان میں حرکت کرتی ہے جو محسن کی عنایات عظیمہ کا تصور کر کے جنبش میں آیا کرتی ہے بلکہ صرف ایک اجمالی نظر سے خدا تعالیٰ کے حقوق خالقیت وغیرہ کو تسلیم کر لیتے ہیں اور احسان الٰہی کی ان تفصیلات کو جن پر ایک باریک نظر ڈالنا اس حقیقی محسن کو نظر کے سامنے لے آتا ہے ہرگز مشاہدہ نہیں کرتے کیونکہ اسباب پرستی کا گردوغبار مسبّب حقیقی کا پورا چہرہ دیکھنے سے روک دیتا ہے۔ اس لئے ان کو وہ صاف نظر میسر نہیں آتی جس سے کامل طور پر معطی حقیقی کا جمال مشاہدہ کر سکتے سو ان کی ناقص معرفت رعایت اسباب کی کدورت سے ملی ہوئی ہوتی ہے اور بوجہ اس کے جو وہ خدا کے احسانات کو اچھی طرح دیکھ نہیں سکتے۔ خود بھی اسکی

طرف وہ التفات نہیں کرتے جو احسانات کے مشاہدہ کے وقت کرنی پڑتی ہے جس سے محسن کی شکل نظر کے سامنے آجاتی ہے۔ بلکہ ان کی معرفت ایک دھندلی سی ہوتی ہے۔ وجہ یہ کہ وہ کچھ تو اپنی محنتوں اور اپنے اسباب پر بھروسہ رکھتے ہیں اور کچھ تکلف کے طور پر یہ بھی مانتے ہیں کہ خدا کا حق خالقیت اور رزاقیت ہمارے سر پر واجب ہے۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ انسان کو اُس کے وسعت فہم سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اس لئے ان سے جب تک کہ وہ اس حالت میں ہیں یہی چاہتا ہے کہ اس کے حقوق کا شکر ادا کریں۔ اور آیت اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ میں عدل سے مراد یہی اطاعت برعایت عدل ہے۔ مگر اس سے بڑھ کر ایک اور مرتبہ انسان کی معرفت کا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ انسان کی نظر رویت اسباب سے بالکل پاک اور منزہ ہو کر خدا تعالیٰ کے فضل اور احسان کے ہاتھ کو دیکھ لیتی ہے۔ اور اس مرتبہ پر انسان اسباب کے حجابوں سے بالکل باہر آجاتا ہے۔ اور یہ مقولہ کہ مثلاً میری اپنی ہی آبپاشی سے میری کھیتی ہوئی اور یا میرے اپنے ہی بازو سے یہ کامیابی مجھے ہوئی یا زید کی مہربانی سے فلاں مطلب میرا پورا ہوا اور بکر کی خبرگیری سے میں تباہی سے بچ گیا۔ یہ تمام باتیں ہیچ اور باطل معلوم ہونے لگتی ہیں اور ایک ہی ہستی اور ایک ہی قدرت اور ایک ہی محسن اور ایک ہی ہاتھ نظر آتا ہے۔ تب انسان ایک صاف نظر سے جس کے ساتھ ایک ذرہ شرک فی الاسباب کی گرد و غبار نہیں۔ خدا تعالےٰ کے احسانوں کو دیکھتا ہے اور یہ رویت اس قسم کی صاف اور یقینی ہوتی ہے کہ وہ ایسے محسن کی عبادت کرنے کے وقت اس کو غائب نہیں سمجھتا۔ بلکہ یقیناً اس کو حاضر خیال کر کے اس کی عبادت کرتا ہے اور اس عبادت کا نام قرآن شریف میں احسان

ہے۔ اور صحیح بخاری اور مسلم میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کے یہی معنی بیان فرمائے ہیں:۔

اور اس درجہ کے بعد ایک اور درجہ ہے جس کا نام اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی ہے۔* اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب انسان ایک مدت تک احسانات الٰہی کو بلا شرکت اسباب دیکھتا ہے۔ اور اس کو حاضر اور بلا واسطہ محسن سمجھ کر اس کی عبادت کرتا ہے تو اس تصور اور تخیل کا آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک ذاتی محبت اس کو جناب الٰہی کی نسبت پیدا ہو جائے گی کیونکہ متواتر احسانات کا دائمی ملاحظہ بالضرورت شخص ممنون کے دل میں یہ اثر پیدا کرتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ اس شخص کی ذاتی محبت سے بھر جاتا ہے جس کے غیر محدود احسانات اُس پر محیط ہو گئے۔ پس اس صورت میں وہ صرف احسانات کے تصور سے اُس کی عبادت نہیں کرتا بلکہ اس کی ذاتی محبت اس کے دل میں بیٹھ جاتی ہے جیسا کہ بچہ کو ایک ذاتی محبت اپنی ماں سے ہوتی ہے۔ پس اس مرتبہ پر وہ عبادت کے وقت صرف خدا تعالیٰ کو دیکھتا ہی نہیں بلکہ دیکھ کر سچے عشاق کی طرح لذت بھی اٹھاتا ہے۔ اور تمام اغراض نفسانی

* نوٹ: مرتبہ ایتاء ذی القربٰی متواتر احسانات کے ملاحظہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اس مرتبہ میں کامل طور پر عابد کے دل میں محبت ذات باری تعالیٰ کی پیدا ہو جاتی ہے اور اغراض نفسانیہ کا رائحہ اور بقیہ بالکل دور ہو جاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ محبت ذاتی کا اصل اور منبع دو ہی چیزیں ہیں (۱) اوّل کثرت سے مطالعہ کسی کے حسن کا اور اس کے نقوش اور خال و خط اور شمائل کو ہر وقت ذہن میں رکھنا اور بار بار اس کا تصور کرنا (۲) دوسرے کثرت سے تصور کسی کے متواتر احسانات کا کرنا اور اس کے انواع و اقسام کے مروتوں اور احسانوں کو ذہن میں لاتے رہنا اور ان احسانوں کی عظمت اپنے دل میں بٹھانا

معدوم ہوکر ذاتی محبت اس کی اندر پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہ وہ مرتبہ ہے جس کو خدا تعالیٰ نے لفظ ایتاء ذی القربیٰ سے تعبیر کیا ہے۔ اور اسی کی طرف خدا تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ کیا ہے۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا[1] غرض آیت اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى[2] کی یہ تفسیر ہے اور اس میں خدا تعالیٰ نے تینوں مرتبے انسانی معرفت کے بیان کر دیئے اور تیسرے مرتبہ کو محبت ذاتی کا مرتبہ قرار دیا اور یہ وہ مرتبہ ہے جس میں تمام اغراض نفسانی جل جاتے ہیں اور دل ایسا محبت سے بھر جاتا ہے جیسا کہ ایک شیشہ عطر سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ اسی مرتبہ کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ[3]۔ یعنی بعض مومن لوگوں میں سے وہ بھی ہیں کہ اپنی جانیں رضاء الٰہی کے عوض میں بیچ دیتے ہیں* اور خدا ایسوں ہی پر مہربان ہے۔ اور پھر فرمایا بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ[4]۔ یعنے وہ لوگ نجات یافتہ ہیں جو خدا کو اپنا وجود حوالہ کر دیں اور اس کی نعمتوں کے تصور سے اس طور سے اس کی عبادت کریں کہ گویا اس کو دیکھ رہے ہیں سو ایسے لوگ خدا کے پاس سے اجر پاتے ہیں۔ اور نہ ان کو کچھ خوف ہے اور نہ وے کچھ غم کرتے ہیں یعنی ان کا مدعا خدا اور خدا کی محبت ہو جاتی ہے اور خدا کے پاس کی نعمتیں اُن کا اجر ہوتا ہے اور پھر ایک جگہ فرمایا يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۔ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ

* نوٹ: نفس کے بیچنے میں یہ بات داخل ہے کہ انسان اپنی زندگی اور اپنے آرام کو جلال الٰہی کے ظاہر کرنے اور دین کی خدمت میں وقف کر دیوے۔ منہ

[1] البقرۃ : ۲۰۱ [2] النحل : ۹۱ [3] البقرۃ : ۲۰۸ [4] البقرۃ : ۱۱۳

جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا[1]۔ یعنی مومن وہ ہیں جو خدا کی محبت سے مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو روٹی کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس روٹی کھلانے سے تم سے کوئی بدلہ اور شکرگذاری نہیں چاہتے۔ اور نہ ہماری کچھ غرض ہے۔ ان تمام خدمات سے صرف خدا کا چہرہ ہمارا مطلب ہے۔ اب سوچنا چاہیئے کہ ان تمام آیات سے کس قدر صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف نے اعلیٰ طبقہ عبادت الٰہی اور اعمال صالحہ کا یہی رکھا ہے کہ محبت الٰہی اور رضاء الٰہی کی طلب سچے دل سے ظہور میں آوے۔ مگر اس جگہ سوال یہ ہے کہ کیا یہ عمدہ تعلیم جو نہایت صفائی سے بیان کی گئی ہے انجیل میں بھی موجود ہے۔ ہم ہر یک کو یقین دلاتے ہیں کہ اس صفائی اور تفصیل سے انجیل نے ہرگز بیان نہیں کیا۔ خدا تعالیٰ نے تو اس دین کا نام اسلام اس غرض سے رکھا ہے کہ تا انسان خدا تعالیٰ کی عبادت نفسانی اغراض سے نہیں بلکہ طبعی جوش سے کرے۔ کیونکہ اسلام تمام اغراض کے چھوڑ دینے کے بعد رضا بقضا کا نام ہے۔ دنیا میں بجز اسلام ایسا کوئی مذہب نہیں جس کے یہ مقاصد ہوں بیشک خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت کے جتلانے کے لئے مومنوں کو انواع اقسام کی نعمتوں کے وعدے دیئے ہیں مگر مومنوں کو جو اعلیٰ مقام کے خواہشمند ہیں یہی تعلیم دی ہے کہ وہ محبت ذاتی سے خدا تعالیٰ کی عبادت کریں لیکن انجیل میں تو صاف شہادتیں موجود ہیں کہ آپ کے یسوع صاحب کے حواری لالچی اور کم عقل تھے۔ پس جیسے ان کی عقلیں اور ہمتیں تھیں ایسی ہی ان کو ہدایت بھی ملی۔ اور ایسا ہی یسوع بھی ان کو مل گیا جس نے اپنی خودکشی کا دھوکا دے کر سادہ لوحوں کو عبادت کرنے سے روک دیا۔

اگر کہو کہ انجیل نے یہ سکھلا کر کہ خدا کو باپ کہو محبت ذاتی کی

[1] الدھر : ۹

طرف اشارہ کیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا خیال سراسر غلط ہے کیونکہ انجیلوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے خدا کے بیٹے کا لفظ دو طور سے استعمال کیا ہے (۱) اوّل تو یہ کہ مسیح کے وقت میں یہ قدیم رسم تھی کہ جو شخص رحم اور نیکی کے کام کرتا۔ اور لوگوں سے مروّت اور احسان سے پیش آتا تو وہ وا شگاف کہتا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں۔ اور اس لفظ سے اس کی یہ نیت ہوتی تھی کہ جیسے خدا نیکوں اور بدوں دونوں پر رحم کرتا ہے۔ اور اس کے آفتاب اور ماہتاب اور بارش سے تمام برے بھلے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ایسا ہی عام طور پر نیکی کرنا میری عادت ہے لیکن فرق اس قدر ہے کہ خدا تو ان کاموں میں بڑا ہے۔ اور میں چھوٹا ہوں سو انجیل نے بھی اس لحاظ سے خدا کو باپ ٹھیرایا کہ وہ بڑا ہے اور دوسروں کو بیٹا ٹھیرایا یہ نیت کر کے کہ وہ چھوٹے ہیں مگر اصل امر میں خدا سے مساوی کیا یعنی کمیّت میں کمی بیشی کو مان لیا مگر کیفیت میں باپ بیٹا ایک رہے۔ اور یہ ایک مخفی شرک تھا۔ اس لئے کامل کتاب یعنی **قرآن شریف** نے اس طرح کی بول چال کو جائز نہیں رکھا۔ یہودیوں میں جو ناقص حالت میں تھے جائز تھا اور انہیں کی تقلید سے **یسوع** نے اپنی باتوں میں بیان کر دیا چنانچہ انجیل کے اکثر مقامات میں اسی قسم کے اشارے پائے جاتے ہیں کہ خدا کی طرح رحم کرو۔ خدا کی طرح دشمنوں سے بھی ایسی ہی بھلائی کرو جیسا کہ دوستوں سے تب تم خدا کے فرزند کہلاؤ گے کیونکہ اس کے کام سے تمہارا کام مشابہ ہوگا۔ صرف اتنا فرق رہا کہ وہ بڑا بمنزلہ باپ خدا اور تم چھوٹے بمنزلہ بیٹے کے ٹھیرے۔ سو یہ تعلیم درحقیقت یہودیوں کی کتابوں سے لی گئی تھی اس لئے یہودیوں کا اب تک یہ اعتراض ہے کہ یہ چوری اور سرقہ ہے۔ بائبل سے چرا کر یہ باتیں انجیل میں لکھ دیں۔ بہرحال یہ تعلیم ایک تو ناقص ہے اور دوسرے اس طرح کا بیٹا محبّت ذاتی سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔

(۴) دوسری قسم کے بیٹے کا انجیل میں ایک بیہودہ بیان ہے جیسا کہ یوحنا باب ۱۰ آیت ۳۴ میں ہے یعنی اس ورس میں بیٹا تو ایک طرف ہر یک کو خواہ کیسا ہی بدمعاش ہو خدا بنا دیا ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ نوشتوں کا باطل ہونا ممکن نہیں۔ غرض انجیل نے شخصی تقلید سے اپنی قوم کا ایک مشہور لفظ لے لیا علاوہ اس کے یہ بات خود غلط ہے کہ خدا کو باپ قرار دیا جاوے اور اس سے زیادہ نادان اور بے ادب کون ہوگا کہ باپ کا لفظ خدا تعالیٰ کے لئے بر اطلاق کرے چنانچہ ہم اس بحث کو بفضلہ تعالیٰ کتاب منن الرحمٰن میں بتفصیل بیان کر چکے ہیں۔ اس سے آپ پر ثابت ہوگا کہ خدا تعالیٰ پر باپ کا لفظ اطلاق کرنا نہایت گندہ اور ناپاک طریق ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کریم نے سمجھانے کے لئے یہ تو کہا کہ خدا تعالیٰ کو ایسی محبت سے یاد کرو جیسا کہ باپوں کو یاد کرتے ہو مگر یہ کہیں نہیں کہا کہ حقیقت میں خدا تعالیٰ کو باپ سمجھ لو۔

اور انجیل میں ایک اور نقص یہ ہے کہ اس نے یہ تعلیم کسی جگہ نہیں دی کہ عبادت کرنے کے وقت اعلیٰ طریق عبادت یہی ہے کہ اغراض نفسانیہ کو درمیان سے اٹھا دیا جاوے بلکہ اگر کچھ سکھلایا۔ تو صرف روٹی مانگنے کے لئے دعا سکھلائی۔ قرآن شریف نے تو ہمیں یہ دعا سکھلائی کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ[1] یعنی ہمیں اس راہ پر قائم کر جو نبیوں اور صدیقوں کی اور عاشقان الٰہی کی راہ ہے۔ مگر انجیل یہ سکھلاتی ہے کہ ہماری روزینہ کی روٹی آج ہمیں بخش۔ ہم نے تمام انجیل پڑھ کر دیکھی اس میں اعلیٰ تعلیم کا نام و نشان نہیں ہے۔

[1] الفاتحۃ : ۶-۷

اعتراض پنجم

محمدؐ صاحب کی ایک غیر عورت پر نظر پڑی۔ تو آپ نے گھر میں آکر اپنی بیوی سودہ رضؓ سے خلوت کی پس جو شخص غیر عورت کو دیکھ کر اپنے نفس پر غالب نہیں آسکتا۔ جب تک اپنی عورت سے خلوت نکرے اور اپنے نفس کی حرص کو پورا نہ کرے۔ تو وہ فرد اکمل کیونکر ہوسکتا ہے؟

اقول میں کہتا ہوں کہ جس حدیث کے معترض نے اُلٹے معنے سمجھ لئے ہیں وہ صحیح مسلم میں ہے۔ اور اس کے الفاظ یہ ہیں۔ عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رای امرأۃ فاتی امرأتہ زینب وھی تمعس منیئۃ لہا فقضی حاجتہ۔ اس حدیث میں سودہ رضؓ کا کہیں ذکر نہیں اور معنے حدیث کے یہ ہیں کہ آنحضرتؐ نے ایک عورت کو دیکھا۔ پھر اپنی بیوی زینبؓ کے پاس آئے اور وہ چمڑہ کو مالش کر رہی تھی۔ سو آنحضرتؐ نے اپنی حاجت پوری کی۔ اب دیکھو کہ حدیث میں اس بات کا نام و نشان نہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس عورت کا حسن و جمال پسند آیا۔ بلکہ یہ بھی ذکر نہیں کہ وہ عورت جوان تھی یا بڈھی تھی۔ اور یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرتؐ نے اپنی بیوی سے آکر صحبت کی۔ الفاظ حدیث صرف اس قدر ہیں کہ اس سے اپنی حاجت کو پورا کیا اور لفظ قضی حاجتہ لغت عرب میں مباشرت سے خاص نہیں ہے قضاء حاجت پاخانہ پھرنے کو بھی کہتے ہیں اور کئی اور معنوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی سے صحبت کی تھی۔ ایک عام لفظ کسی خاص معنی میں محدود کرنا صریح شرارت ہے۔ علاوہ اس کے آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ بات مروی نہیں کہ میں نے ایک عورت کو دیکھ کر اپنی بیوی سے صحبت کی۔ اصل حقیقت صرف اس قدر ہے کہ مسلم میں جابر سے ایک حدیث ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو دیکھے اور وہ اس کی نظر میں خوبصورت معلوم ہو تو بہتر ہے کہ فی الفور گھر میں آکر اپنی عورت سے صحبت کرلے تا کہ کوئی خطرہ بھی دل میں گذرنے نہ پائے اور بطور حفظ ماتقدم علاج ہو جائے پس ممکن ہے کہ کسی صحابی نے اس حدیث کے سننے کے بعد دیکھا ہو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی راہ میں کوئی جوان عورت سامنے آگئی اور پھر اس کو یہ بھی اطلاع ہو گئی ہو کہ اس وقت کے قریب ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاقاً اپنی بیوی سے صحبت کی تو اس نے اس اتفاقی امر پر اپنے اجتہاد سے اپنے گمان میں ایسا ہی سمجھ لیا ہو کہ اس حدیث کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عمل کیا۔

پھر اگر فرض بھی کر لیں کہ وہ قول صحابی کا صحیح تھا تو اس سے کوئی بد نتیجہ نکالنا کسی بد اور خبیث آدمی کا کام ہے۔ بلکہ اصل بات تو یہ ہے کہ انبیا علیہم السلام اس بات پر بہت حریص ہوتے ہیں کہ ہر یک نیکی اور تقویٰ کے کام کو عملی نمونہ کے پیرایہ میں لوگوں کے دلوں میں بٹھا دیں پس بسا اوقات وہ تنزل کے طور پر کوئی ایسا تمتع اور تقویٰ کا کام بھی کرتے ہیں جس میں محض عملی نمونہ دکھانا منظور ہوتا ہے اور ان کے نفس کو اس کی کچھ بھی حاجت نہیں ہوتی جیسا کہ ہم **قانون قدرت** کے آئینہ میں یہ بات حیوانات میں بھی پاتے ہیں۔ مثلاً ایک مرغی صرف مصنوعی طور پر اپنی منقار دانہ پر اس غرض سے مارتی ہے کہ اپنے بچوں کو سکھا دے کہ اس طرح دانہ زمین پر سے اٹھانا چاہیئے۔ سو عملی نمونہ دکھانا کامل معلم کے لئے ضروری ہوتا ہے اور ہر یک فعل معلم کا اس کے دل کی حالت

کا معیار نہیں ہوتا ماسوا اس کے ایک خوبصورت کو اگر اتفاقاً اُس پر نظر پڑ جائے خوبصورت سمجھنا نفس الامر میں کوئی بات عیب کی نہیں۔ ہاں بدخطرات کامل تقدس کے برخلاف ہیں لیکن جو شخص بدخطرات سے پہلے حفظ ما تقدم کے طور پر تقویٰ کے دقیق راہوں پر قدم مارے تا خطرات سے دور رہے۔ تو کیا ایسا عمل کمال کے منافی ہوگا یہ تعلیم قرآن شریف کی نہایت اعلیٰ ہے کہ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ[1] یعنی جس قدر کوئی تقویٰ کی دقیق راہیں اختیار کرے۔ اسی قدر خدا تعالیٰ کے نزدیک اس کا زیادہ مرتبہ ہوتا ہے۔ پس بلاشبہ یہ نہایت اعلیٰ مرتبہ تقویٰ کا ہے کہ قبل از خطرات خطرات سے محفوظ رہنے کی تدبیر بطور حفظ ما تقدم کی جائے۔

اور اگر یہ دعویٰ ہو کہ کاملین بہرحال خطرات سے محفوظ رہتے ہیں ان کو تدبیر کی حاجت نہیں تو یہ دعویٰ سراسر حماقت اور قصور معرفت کی وجہ سے ہوگا کیونکہ انبیاء علیہم السلام کسی معصیت اور نافرمانی پر ایک سیکنڈ کے لئے بھی دلی عزیمت نہیں کر سکتے۔ اور ایسا کرنا ان کے لئے کبائر ذنوب کی طرح ہے لیکن انسانی قویٰ اپنے خواص اس میں بھی دکھلا سکتے ہیں۔ گو وہ بدخطرات پر قائم ہونے سے بکلی محفوظ رکھے گئے ہیں۔ مثلاً اگر ایک نبی بشدت بھوکا ہو۔ اور راہ میں وہ بعض درخت پھلوں سے لدے ہوئے پائے تو یہ تو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ بغیر اجازت مالک پھلوں کی طرف ہاتھ لمبا نہیں کرے گا اور نہ دل میں ان پھلوں کے توڑنے کے لئے عزیمت کرے گا لیکن یہ خیال اس کو آسکتا ہے کہ اگر یہ پھل میری ملک میں سے ہوتے تو میں ان کو کھا سکتا۔ اور یہ خیال کمال کے منافی نہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ آپ کے خدا صاحب تھوڑی سی بھوک کے عذاب پر صبر نہ کر کے کیونکر انجیر کے

[1] الحجرات: ۱۴

درخت کی طرف دوڑے گئے۔ کیا آپ ثابت کرسکتے ہیں کہ یہ درخت ان کا یا ان کے والد صاحب کی ملک میں سے تھا پس جو شخص بیگانہ درخت کو دیکھ کر اپنے نفس پر غالب نہ آسکا اور پیٹ کو بھینٹ چڑھانے کے لئے اس کی طرف دوڑا گیا۔ وہ خدا تو کیا بلکہ بقول آپ کے فرد اکمل بھی نہیں۔
الغرض کسی کے دل میں یہ خیال گذرنا کہ یہ چیز خوبصورت ہے یہ ایک علیحدہ امر ہے جس کو خدا نے آنکھیں دی ہیں جیسے وہ کانٹے اور پھول میں فرق کرسکتا ہے۔ ایسا ہی وہ خوبصورت اور بدصورت میں فرق کرسکتا ہے۔ آپ کے خدا صاحب کو شاید یہ قوت ممیزہ فطرت سے نہیں ملی ہوگی مگر پیٹ کی شہوت کے لئے تو انجیر کے درخت کی طرف دوڑے یہ بھی نہ سوچا کہ یہ کس کا انجیر ہے:
تعجب کہ ایک شرابی اور کھاؤ پیو کو شہوت پرست نہ کہا جائے اور وہ پاک ذات جس کی زندگی اور جس کا ہر یک فعل خدا کے لئے تھا۔ اس کا نام اس زمانہ کے پلید طبع شہوت پرست رکھیں عجیب تاریکی کا زمانہ ہے۔ یہ اسلام کی اعلیٰ تعلیم کا ایک نمونہ ہے کہ ہرگز قصداً کسی عورت کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھو کہ یہ بدنظری کا پیش خیمہ ہے۔ اور اگر اتفاقاً کسی خوبصورت عورت پر نظر پڑے اور وہ خوبصورت معلوم ہو تو اپنی عورت سے صحبت کرکے اس خیال کو ٹال دو۔ خوب یاد رکھو کہ یہ تعلیم اور یہ حکم حفظ ماتقدم کے طور پر ہے جو شخص مثلاً ہیضہ کے دنوں میں ہیضہ سے بچنے کے لئے حفظ ماتقدم کے طور پر کوئی دوا استعمال کرتا ہے تو کیا کہہ سکتے ہیں کہ اس کو ہیضہ ہوگیا ہے۔ یا ہیضہ کے آثار اس میں ظاہر ہوگئے ہیں۔ بلکہ یہ بات اس کی دانشمندی میں محسوب ہوگی اور سمجھا جائے گا کہ وہ اس بیماری سے طبعاً نفرت رکھتا ہے اور اس سے

دُور رہنا چاہتا ہے۔ اس بات میں آپ کے ساتھ کوئی بھی اتفاق نہیں کریگا کہ تقویٰ کی راہوں کو اختیار کرنا کمال کے برخلاف ہے۔ اگر انبیاء علیہم السلام تقویٰ کا نمونہ نہ دکھلاویں تو اور کون دکھلاوے جو خدا ترسی میں سب سے بڑھ کر ہوتا ہے وہی سب سے بڑھ کر تقویٰ بھی اختیار کرتا ہے۔ وہ بدی سے اپنے تئیں دور رکھتا ہے وہ ان راہوں کو چھوڑ دیتا ہے جس میں بدی کا احتمال ہوتا ہے۔ مگر آپ کے یسوع صاحب کی نسبت کیا کہیں اور کیا لکھیں اور کب تک اُن کے حال پر روویں۔ کیا یہ مناسب تھا کہ وہ ایک زانیہ عورت کو یہ موقعہ دیتا کہ وہ عین جوانی اور حسن کی حالت میں ننگے سر اس سے مل کر بیٹھتی اور نہایت ناز اور نخرہ سے اس کے پاؤں پر اپنے بال ملتی اور حرام کاری کے عطر سے اس کے سر پر مالش کرتی۔ اگر یسوع کا دل بدخیالات سے پاک ہوتا تو وہ ایک کسبی عورت کو نزدیک آنے سے ضرور منع کرتا۔ مگر ایسے لوگ جن کو حرام کار عورتوں کے چھونے سے مزہ آتا ہے۔ وہ ایسے نفسانی موقعہ پر کسی ناصح کی نصیحت بھی نہیں سنا کرتے۔ دیکھو یسوع کو ایک غیرتمند بزرگ نے نصیحت کے ارادہ سے روکنا چاہا کہ ایسی حرکت کرنا مناسب نہیں۔ مگر یسوع نے اس کے چہرہ کی ترش روئی سے سمجھ لیا کہ میری اس حرکت سے یہ شخص بیزار ہے تو رندوں کی طرح اعتراض کو باتوں میں ٹال دیا اور دعویٰ کیا کہ یہ کنجری بڑی اخلاص مند ہے۔ ایسا اخلاص تو تجھ میں بھی نہیں پایا گیا۔ سبحان اللہ یہ کیا عمدہ جواب ہے۔ یسوع صاحب ایک زنا کار عورت کی تعریف کر رہے ہیں کہ بڑی نیک بخت ہے۔ دعویٰ خدائی کا اور کام ایسے۔ بھلا جو شخص ہر وقت شراب سے سرمست رہتا ہے اور کنجریوں سے میل جول رکھتا ہے اور کھانے پینے میں بھی ایسا اول نمبر کا جو لوگوں میں یہ اس کا نام ہی

پڑ گیا ہے کہ یہ کھاؤ پیو ہے۔ اس سے کس تقویٰ اور نیک بختی کی امید ہو سکتی ہے

ہمارے سیّد و مولیٰ افضل الانبیاء خیر الاصفیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کا تقویٰ دیکھئے کہ وہ ان عورتوں کے ہاتھ سے بھی ہاتھ نہیں ملاتے تھے جو پاکدامن اور نیک بخت ہوتی تھیں اور بیعت کرلینے کے لئے آتی تھیں بلکہ دور بٹھا کر صرف زبانی تلقین توبہ کرتے تھے مگر کون عقلمند اور پرہیزگار ایسے شخص کو پاک باطن سمجھے گا۔ جو جوان عورتوں کے چھونے سے پرہیز نہیں کرتا۔ ایک کنجری خوبصورت ایسی قریب بیٹھی ہے گویا بغل میں ہے کبھی ہاتھ لمبا کرکے سر پر عطر مل رہی ہے کبھی پیروں کو پکڑتی ہے اور کبھی اپنے خوشنما اور سیاہ بالوں کو پیروں پر رکھ دیتی ہے۔ اور گود میں تماشہ کر رہی ہے۔ یسوع صاحب اس حالت میں وجد میں بیٹھے ہیں اور کوئی اعتراض کرنے لگے تو اس کو جھڑک دیتے ہیں۔ اور طرفہ یہ کہ عمر جوان اور شراب پینے کی عادت اور پھر مجرّد۔ اور ایک خوبصورت کسبی عورت سامنے پڑی ہے جسم کے ساتھ جسم لگا رہی ہے۔ کیا یہ نیک آدمیوں کا کام ہے اور اس پر کیا دلیل ہے کہ اس کسبی کے چھونے سے یسوع کی شہوت نے جنبش نہیں کی تھی۔ افسوس کہ یسوع کو یہ بھی میسر نہیں تھا کہ اس فاسقہ پر نظر ڈالنے کے بعد اپنی کسی بیوی سے صحبت کر لیتا۔ کمبخت زانیہ کے چھونے سے اور ناز و ادا کرنے سے کیا کچھ نفسانی جذبات پیدا ہوئے ہوں گے۔ اور شہوت کے جوش نے پورے طور پر کام کیا ہو گا۔ اسی وجہ سے یسوع کے منہ سے یہ بھی نہ نکلا کہ اے حرام کار عورت مجھ سے دور رہ ۔ اور یہ بات انجیل سے ثابت ہوتی ہے کہ وہ عورت طوائف میں سے تھی۔ اور زناکاری میں سارے شہر میں مشہور تھی۔

اعتراض ہفتم

متعہ کا جائز کرنا اور پھر ناجائز کرنا

اما الجواب نادان عیسائیوں کو معلوم نہیں کہ اسلام نے متعہ کو رواج نہیں دیا۔ بلکہ جہاں تک ممکن تھا اس کو دنیا میں سے گھٹایا۔ اسلام سے پہلے نہ صرف عرب میں بلکہ دنیا کی اکثر قوموں میں متعہ کی رسم تھی یعنی یہ کہ ایک وقت خاص تک نکاح کرنا پھر طلاق دے دینا اور اس رسم کے پھیلانے والے اسباب میں سے ایک یہ بھی سبب تھا کہ جو لوگ لشکروں میں منسلک ہو کر دوسرے ملکوں میں جاتے تھے یا بطریق تجارت ایک مدت تک دوسرے ملک میں رہتے تھے۔ ان کو موقت نکاح یعنی متعہ کی ضرورت پڑتی تھی اور کبھی یہ بھی باعث ہوتا کہ غیر ملک کی عورتیں پہلے سے بتلا دیتی تھیں کہ وہ ساتھ جانے پر راضی نہیں اس لئے اسی نیت سے نکاح ہوتا تھا کہ فلاں تاریخ طلاق دی جائے گی پس یہ سچ ہے کہ ایک دفعہ یا دو دفعہ اس قدیم رسم پر بعض مسلمانوں نے بھی عمل کیا٭ مگر وحی اور الہام سے نہیں۔ بلکہ جو قوم میں پرانی رسم تھی معمولی طور پر اس پر عمل ہو گیا۔ لیکن متعہ میں بجز اس کے اور کوئی بات نہیں کہ وہ ایک تاریخ مقررہ تک نکاح ہوتا ہے اور وحی الٰہی نے آخر اس کو حرام کر دیا۔ چنانچہ ہم رسالہ آریہ دھرم میں اس کی تفصیل لکھ چکے ہیں۔ مگر تعجب کہ عیسائی لوگ کیوں متعہ کا ذکر کرتے ہیں جو صرف ایک نکاح موقت ہے اپنے یسوع کے چال چلن کو کیوں نہیں دیکھتے

٭ نوٹ: یہ عمل سخت اضطرار کے وقت تھا جیسے بھوک سے مرنے والا سؤر کھالے۔

دیکھتے کہ وہ ایسی جوان عورتوں پر نظر ڈالتا ہے جن پر نظر ڈالنا اس کو درست نہ تھا کیا جائز تھا کہ ایک کسبی کے ساتھ وہ ہم نشین ہوتا۔ کاش اگر متعہ کا ہی پابند ہوتا تو ان حرکات سے بچ جاتا۔ کیا یسوع کی بزرگ دادیوں نانیوں نے متعہ کیا تھا یا صریح زنا کاری تھی۔ ہم عیسائی صاحبوں سے پوچھتے ہیں کہ جس مذہب میں نہ متعہ یعنی نکاح موقت درست ہے اور نہ ازدواج ثانی جائز۔ اس مذہب کے لشکری لوگ جو بباعث رعایت حفظ قوت کے راہبانہ زندگی بھی بسر نہیں کر سکتے۔ بلکہ شہوت کی جنبش دینے والی شرابیں پیتے ہیں۔ وہ عمدہ سے عمدہ خوراکیں کھاتے ہیں تا سپاہیانہ کاموں کے بجالانے میں چست و چالاک رہیں جیسے گوروں کی پلٹنیں وہ کیونکر بدکاریوں سے اپنے تئیں بچا سکتے ہیں اور ان کی حفظ عفت کے لئے انجیل میں کیا قانون ہے۔ اور اگر کوئی قانون تھا اور انجیل میں ایسے مجردوں کا کچھ علاج لکھا تھا تو پھر کیوں سرکار انگریزی نے ایکٹ چھاؤنی ہائے نمبر ۱۳ ۱۸۸۹ء جاری کر کے یہ انتظام کیا کہ گورہ سپاہی فاحشہ عورتوں کے ساتھ خراب ہوا کریں یہاں تک کہ سر جارج رائٹ کمانڈر انچیف افواج ہند نے ماتحت حکام کو ترغیب دی کہ ایسی خوبصورت اور جوان عورتیں گوروں کی زناکاری کے لئے بہم پہنچائی جائیں یہ ظاہر ہے کہ اگر ایسی ضرورتوں کے وقت جنہوں نے حکام کو ان قابل شرم تجویزوں کیلئے مجبور کیا۔ انجیلوں میں کوئی تدبیر ہوتی تو وہ حلال طریق کو چھوڑ کر ناپاک طریقوں کو اپنے بہادر سپاہیوں میں رواج نہ دیتے۔ اسلام میں کثرت ازدواج کی برکتوں نے ہر یک زمانہ میں سلاطین کو ان ناپاک تدبیروں سے بچا لیا۔ اسلامی سپاہی نکاح سے اپنے تئیں حرام کاری سے بچا لیتے ہیں۔ اگر پادری صاحبان کوئی مخفی تدابیر انجیل کی حرام کاری سے بچانے کی یاد رکھتے ہیں۔ تو اس طریق سے

گورنمنٹ کو روک دیں کیونکہ اخبار ٹائمز نے اب پھر زور شور سے اس قانون کو دوبارہ جاری کرنے کے لیے سلسلہ جنبانی کی ہے۔ یہ سب باتیں اس بات پر گواہ ہیں کہ **انجیل کی تعلیم ناقص** ہے۔ اور اس میں تمدن کے ہر یک پہلو کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ باقی آئندہ۔ انشاء اللہ۔

الراقم: میرزا غلام احمد قادیانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ الحمد للہ علی ما مضی و الحمد للہ علی ما بقی والصلوٰۃ والسلام علی محمد خیر الوریٰ و اھل بیت المصطفیٰ وعلی المؤمنین بنبیہ المجتبیٰ: محبّان اہل اسلام کو واضح ہو کہ اس عرصہ میں ایک کتاب **نور الحق** مرسلہ امام الہمام میرزا غلام احمد صاحب قادیانی میرے پاس پہنچی۔ اس کو میں نے دیکھا اور نیز کچھ تحریرات متعلقہ محمد حسین بٹالوی نظر سے گذریں۔ جن کو دیکھ کر سخت افسوس ہوا کہ باوجود اس فہم و ذکا اور شہرہ آفاق ہونے کے اور چند عرصہ تک میرزا صاحب کی قدم بوسی حاصل کرنے کے اور ثنا گو ہونے کے بھی یکبارگی ایسے لوٹے کہ کفر تک نوبت پہنچا دی (ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا)۔ حالانکہ زمانہ کی بھی کیفیت مثل آئینہ کے کھل رہی ہے اور دیکھ رہے ہیں کہ قوم **دجّال** پوری دجالیت کر رہی ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمانا صادق ہوتا جاتا ہے اور اس پر بھی مقصد لکل فرعون موسیٰ کا نہیں سمجھتے اور کیونکر سمجھ سکتے ہیں جبکہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِھِمۡ وَعَلٰی سَمۡعِھِمۡ وَعَلٰۤی اَبۡصَارِھِمۡ غِشَاوَۃٌ[1]۔ اسی جگہ پر قدرت کبریائی نظر آتی ہے کہ جس کسی کو گمراہ کرانا منظور ہوتا ہے تو ایسے ہی اسباب پیدا کر دیتا جن باتوں کو علماء محققین نکات ٹھیراتے تھے یہ صاحب کفریات جانتے ہیں زمانہ کے حال کو بھولے جاتے ہیں آج جو ہمارے پیغمبر آخر الزمانؐ کے جھنڈے کا پھریرہ اُڑ رہا ہے اور اس کے دین

[1] البقرۃ : ۸

کو زندہ کر رہا ہے ہمارا حامی و مددگار ہو رہا ہے ہمارے دشمنان دین کو زیر قدم
کر رہا ہے۔ کرامت کا جو آج کل بے نام و نشان ہے دعویٰ کر رہا ہے جیسا کہ
لائق ہے اس پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں سو ان لوگوں پر جو ایسا خیال
رکھتے ہیں۔ فی زمانہ فلسفہ طبعی والوں کے نزدیک کرامت کوئی چیز نہیں۔ دیکھیے
فرقہ نیچریہ عجیب ڈھب کا نکلا ہے کہ جس وقت ایسی بحث آکر ہوتی ہے۔ تو
فوراً کہہ دیتے ہیں کوئی نہیں کرکے دکھلاتے اگر کرامت کا قائل ہے اگر کرامت
یا معجزات نعوذ باللہ بے وجود سمجھے جاتے ہیں تو اس کا اثر بد کہاں تک پہنچتا
ہے یہ شکر کا مقام تھا کہ ہماری کشتی جو بھنور میں چکرا رہی تھی ایک ملاح نے
اس کو آکر نکال لیا۔ اس کو تسلیم کرتے نہ اس پر الزام کذب و فریب لگاتے۔ الوقت
یہ بندہ کہتا ہے کہ جیسا مجھ کو معلوم ہوا ہے اور وہ حق ہے تو بے شک امام ہمام
میرزا غلام احمد صاحب **مجدد** وقت ہیں اور میں بصد اشتیاق ان
کے دیدار کا طالب ہوں اور شب و روز اللہ جل و علیٰ سے مستدعی ہوں کہ اگر مرزا
صاحب کو تو نے حق پر بھیجا ہے تو مجھ کو ان کی زیارت سے مشرف کر اور ایسی
جماعت مومنین سے شمار کیا جاؤں میں پہلے متذبذب تھا اب یقیناً بعد دریافت
ثبوت صحیحہ کہتا ہوں کہ جو میں نے لکھا ہے سب صحیح اور حق ہے اور میں انہیں
مجدد و صادق سمجھتا ہوں۔ والسلام ۔

الراقم: عضد الدین از بچھراؤں ضلع مراد آباد

اُن صاحبوں کے نام جو آج کل حضرت امام کامل کی خدمت میں حاضر ہیں

(۱) حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب بھیروی (۲) حکیم فضل الدین صاحب بھیروی (۳) مولوی قطب الدین صاحب بدوملی (۴) صاحبزادہ افتخار احمد صاحب لدھیانہ (۵) صاحبزادہ منظور محمد صاحب لدھیانہ (۶) مولوی عنایت اللہ صاحب مدرس مانانوالہ ضلع گوجرانوالہ (۷) قاضی ضیاء الدین صاحب قاضی کوٹی ضلع گوجرانوالہ (۸) خلیفہ نورالدین صاحب جموں (۹) سید ناصر نواب صاحب دہلوی (۱۰) شیخ عبدالرحیم صاحب٭ (۱۱) شیخ عبدالعزیز صاحب (۱۲) حاجی وریام صاحب خوشابی (۱۳) ثناء اللہ صاحب خوشابی (۱۴) مولوی خدابخش صاحب جالندھری (۱۵) عبدالکریم صاحب خوشنویس (۱۶) شیخ غلام محی الدین صاحب کتب فروش جہلمی (۱۷) شیخ حامد علی صاحب (۱۸) میرزا اسمٰعیل صاحب قادیانی (۱۹) سید محمد کبیر دہلوی (۲۰) خدابخش صاحب مارٹوی ضلع جھنگ (۲۱) حاجی حافظ

٭ حاشیہ: شیخ عبدالرحیم صاحب جوان صالح اور متقی شخص ہیں۔ ان کے ایمان اور اسلام پر ہمیں بھی رشک پیدا ہوتا ہے ان کو اسلام لانے کے وقت کئی ایک سخت ابتلا پیش آئے۔ لیکن انہوں نے ایسے سخت ابتلا کے وقت بڑی ثابت قدمی اور استقامت دکھلائی محض ابتغاء لمرضات اللہ دفعداری چھوڑ کر قادیان میں امام کامل کے ہاتھ پر اسلام و بیعت سے مشرف ہوئے قرآن شریف سے کامل الفت ہے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سے مع ترجمہ اور تفسیر قرآن چند پارے پڑھے شیخ عبداللہ صاحب جوان صالح ہیں۔ رشد کے آثار اور ارتقا کے نشان ان کے بشرہ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جب انہوں نے اسلام کی طرف میلان کیا تو کئی ابتلا پیش آئے۔ از انجملہ ایک یہ ہے کہ لیکھرام آریہ سے کئی بار مباحثہ ہوا آخر کار لیکھرام کو انہوں نے شکست فاش دی۔ چونکہ آریہ تھے ان تعلیم خراب سے دستبردار ہو کر اسلام کو ہر زور و شور سے قبول کیا اور امام وقت سے بیعت کی۔ یہ صاحب کہتے تھے کہ اندلا دھام کے دیکھنے سے مجھے اسلام کا شوق پیدا ہوا اور جب پیشگوئی رجوع آتھم کے

احمد اللہ خاں صاحب غنار (۲۲) حافظ معین الدین صاحب (۲۳) مولوی غلام احمد صاحب کہکیے (۲۴) حافظ قطب الدین صاحب کوٹلہ فقیر جہلم (۲۵) مولوی سید مردان علی صاحب حیدر آبادی (۲۶) مولوی شیخ احمد صاحب (۲۷) میرزا ایوب بیگ صاحب (۲۸) عاجز سراج الحق

قانون خریداری نور القرآن

نمبر اوّل نور القرآن جو تین ماہ کا اکٹھا چھپ کر شائع ہو چکا ہے اُس میں جو ایک روپیہ سالانہ قیمت رکھی گئی ہے سو وہ قانون اب منسوخ کیا جاتا ہے اور اس کی جگہ قیمت کا یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ جو نمبر مطبع سے جس قدر شائع ہو اس کی قیمت دست بدست خریدار روانہ کریں۔ یہ رسالہ ویلیو پے ایبل یا نقد قیمت بذریعہ منی آرڈر روانہ ہو سکتا ہے اور جو صاحب ٹکٹ روانہ کریں وہ آدھ آنہ والے ٹکٹ بھیجیں یا ایک آنہ والے دو دو۔ چار چار آنہ والے ٹکٹ روانہ نہ کریں۔ دور دراز بلاد کے رہنے والے جیسے مدراس یا ملک آسام یا ممالک متوسط پر واجب ہے کہ دو آنہ رجسٹری کے بھی علاوہ قیمت روانہ کریں تا کہ رسالہ کے گم ہونے کا خطرہ نہ رہے۔ جس صاحب کے پاس یہ رسالہ پہنچے مناسب ہے کہ دوسروں کو بھی دکھلا دیں۔ اور اس کے خریدار پیدا کرنے کے لئے جہاں تک ممکن ہو کوشش اور سعی کریں۔ یہ ایک نئی طرز کا رسالہ مخالفین اسلام کے رد میں نسائح ہوتا ہے۔ اس رنگ ڈھنگ کا رسالہ کہیں نہ دیکھو گے ؛

اس نور القرآن نمبر ۲ کی قیمت ۸ ؍ ہے ؛

بقیہ حاشیہ: رجوع الی الحق یا موت کی تھی۔ اس کا رجوع الی الحق ہونا اور موت سے بچنا پوری ہو گئی۔ سچے دل سے اسلام لایا اور اما م وقت کی شناخت حاصل ہوئی۔ الحمد للہ۔ سراج الحق

نوٹ: شیخ عبد العزیز صاحب بھی ابھی تھوڑا عرصہ ہوا قادیان میں مشرف باسلام ہوئے نیک صالح آدمی ہیں۔ اس جوانی میں صلاحیت حاصل ہونا محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ ان کے سوا اور بھی کئی مسلمان ہوئے چار شخص عیسائی مسلمان ہوئے جو وہ اب لاہور میں موجود ہیں ؛ سراج الحق

حضرت عبداللہ صاحب مرحوم غزنوی کا ایک کشف شیخ محمد حسین بٹالوی کی نسبت

جس کو جناب قاضی ضیاء الدین صاحب ساکن قاضی کوٹ ضلع گوجرانوالہ نے
اپنے کانوں سے سنا اور شیخ صاحب کی طرف محض اصلاح روحانی کے لئے لکھ کر
روانہ کیا سو وہ ہم اس رسالہ میں درج کرتے ہیں۔ اگرچہ شیخ صاحب کی نسبت
ہمارا یقین ہے کہ وہ اس سے متنبہ ہونے والے نہیں لیکن ہم ان کے بعض ہم خیال
اور محبوں پر ایک قسم کا حسن ظن رکھتے ہیں کہ وہ اس سے فائدہ حاصل کریں گے۔
واللہ ولی التوفیق۔ وہ کشف ذیل میں درج ہے۔ خاکسار سراج الحق نعمانی

ھُوَالہادِیْ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی۔ بکرمی مولوی محمد حسین صاحب
بعد شوق ملاقات آنکہ یہ جو آج کل آپ دربارہ تکفیر وتضلیل حضرت مسیح موعود
میرزا غلام احمد صاحب قادیانی جن کو آپ پہلے مجدد وقت تسلیم کر چکے ہیں سرگرم
ہیں اور یہاں تک سرگرمی ہے کہ آپ نے اپنے لکھے ہوئے مضمون کفر و کافر
مندرجہ اشاعۃ کی بھی پرواہ نہیں کی جس کی شامت سے اب صریح سوء خاتمہ
کے آثار ظاہر ہیں۔ آپ کی اس حالت کو دیکھ کر عاجز کا دل بلحاظ حب بنی نوع بچھل
آیا۔ لہٰذا بحکم الدین النصیحۃ میں نے چاہا کہ آپ کو اس نتیجہ نامرضیہ سے للہ متنبہ
کروں شاید اللہ تعالیٰ جو رحیم وکریم ہے رحم فرماوے اور اس بارے میں یہ ایک
الہام عبداللہ غزنوی مرحوم ہے جو آپ کی نسبت ان کو ہوا تھا۔ اور اسی زمانہ میں
آپ کو سنا بھی دیا تھا شاید وہ آپ کو یاد ہو یا نہ ہو۔ اب میں آپ کو دوبارہ
سناتا ہوں اور مجھے کئی بار تجربہ ہو چکا ہے کہ مولوی لوگ اپنے ہم عصر کی بات
سے گو کیسی ہی مفید ہو کم متاثر ہوتے ہیں۔ اب وہ مرحوم تو فوت ہو چکے۔ شاید

آپ ان سے علاوہ بیعت بھی رکھتے تھے۔ تعجب نہیں کہ آپ کو ان کے الہام سے فائدہ پہنچے۔ عاجز کی غرض سوائے خیر خواہی اور اتفاق بین المسلمین اور کچھ نہیں میں حلفاً بیان کرتا ہوں وکفی باللّٰہ شھیدا کہ یہ الہام میں نے خود حضرت مرحوم سے سنا ہے۔ خدا کے لئے جاگتے دل سے سنو۔ وھو ہذا

می بینم کہ محمد حسین پیراہنے کلاں پوشیدہ است لاکن پارہ پارہ شدہ است۔ پھر آپ ہی یہ تعبیر فرمائی۔ کہ آں پیراہن علم است کہ پارہ پارہ خواہد شد۔ اور پارہ پارہ زبان سے کہتے تھے اور اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سینہ سے لے کر پنڈلیوں تک بار بار اشارہ کرتے تھے۔ پھر عاجز کو فرمایا کہ آنرا باید گفت کہ توبہ کردہ باشد۔ چنانچہ حسب الوصیت میں نے آپ کو یہ حال سنایا تھا۔ آپ نے عاجز کو چینیاں والی مسجد لاہور میں تمسخر آمیز الفاظ سے پیغام دیا تھا کہ ولی بنے جاتے ہیں۔ عبد اللہ کو کہنا کہ مجھے بھی بلاوے۔ اس پیغام کے بعد انہوں نے ملّا سفر کے روبرو الہام مذکور فرمایا اور میں نے امرتسر میں بدکان حافظ محمد یوسف صاحب جہاں حافظ عبد المنان رہتا تھا حرف بحرف آپ کو سنادیا تھا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اس وقت آپ متاثر ہوگئے تھے جس سے مطالعہ کتاب بھی چھوٹ گیا تھا۔ میں نے انہی دنوں اپنے گاؤں کے لوگوں کو بھی سنادیا تھا جو وہ اب گواہی دے سکتے ہیں۔

غرضکہ یہ منذر الہام ان دنوں میں پورا ہوا جس کا اثر اب ظاہر ہوا کہ مرزا صاحب کے مقابل پر آپ کی ساری علمیت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی اور علم کے لاف و گزاف بھی ہیچ محض ثابت ہوئے۔ لہٰذا یہ الہام بیشک سچا ہے۔ مولوی صاحب! میں نے وقت پر آپ کو دوبارہ یاد دلایا ہے آپ عبرت پکڑیں اور توبہ کریں۔ اور اس مصلح اور مجدد اور امام کامل اور مسیح

موعود ایدہ اللہ کی عداوت سے دست بردار ہو جائیں۔ ورنہ حسرت سے دانت پیسنا اور رونا ہوگا۔ آیندہ اختیار بدست مختار۔ شعر

گر امروز ایں پند من نشنوی
یقیں داں کہ فردا پشیماں شوی

وما علینا الا البلاغ

الراقم:
المسکین ضیاء الدین عفا عنہ
۲۰؍ دسمبر ۱۸۹۵ء

نوٹ:

نور القرآن نمبر ۲ کے خاتمہ پر بعض ایڈیشنوں میں حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۷ مریم جاریہ جس کا دوسرا نام مریم طلبی بھی ہے اور آٹھ صفحات کا حاشیہ اور حاشیہ در حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۶۴ دو صفحات کا حاشیہ لکھا گیا ہے۔ یہ حاشیہ در حقیقت ست بچن کتاب سے تعلق رکھتا ہے اس لئے ہم نے نور القرآن نمبر ۲ کے آخر میں ان دونوں حاشیوں کو درج نہیں کیا۔ ست بچن کے ساتھ درج کئے جائیں گے۔

شمس